ماہنامہ

مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا
جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو
اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا
بھی مل جاتی ہے۔

(حسن بصریؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو بلریاگنج

جلد ۱۱ | شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، مارچ، اپریل، مئی ۱۹۹۵ء | شمارہ ۲، ۳، ۴

بدل اشتراک

سالانہ زرتعاون ۵۰/- روپے

طلبہ کے لئے ۴۰/- روپے

خصوصی زرتعاون ۱۰۰/- روپے

اعزازی زرتعاون ۱۰۰۰/- روپے

غیر ممالک سے زرتعاون ۲۵ امریکی ڈالر

قیمت فی شمارہ ۵/- روپے

اس شمارہ کی قیمت ۱۶/- روپے

مُدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مُدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مُدیر

عبد البر اثری فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ ۲۷۶۱۲۱

فون نمبر ۱۸۱۰

حلقۂ یاراں

عبد الرحمٰن ناصر اصلاحی جامعی

گل بھی وہی چمن وہی فرق نظر کا ہے۔

گرامی قدر مدیر "حیات نو" السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ سب لوگ ہر طرح بخیر ہوں

نومبر و دسمبر ۱۹۹۴ء "حیات نو" کے شمارہ میں، مولانا نسیم ظہیر اصلاحی صاحب کا مضمون دیکھا جو انہوں نے "حقیقت رجم" کے تعارف میں لکھا ہے۔ مضمون بہت مناسب ہے، جس کی شدید ضرورت تھی۔ میں نے خود "حقیقت رجم" کو بڑے غور اور بہت شوق کے ساتھ، بالاستیعاب پڑھا، جس سے نہ صرف یہ کہ میرا علم تازہ ہوا، بلکہ میرے علم میں اضافہ بھی ہوا۔ مولانا سبحانی صاحب نے جس تحقیق، جستجو اور احتیاط کے ساتھ "رجم" جیسے اہم مسئلے پر روشنی ڈالی ہے، وہ لائق صد ستائش ہے، کہیں بھی مناظرانہ انداز کی جھلک نظر نہیں آتی، اظہار خیال کے لئے شستگی کی سلیس زبان کو ذریعہ بنایا ہے، پوری کتاب، عبارت آرائی، لفاظی، انتشار پروازی اور بے جا مترادفات کے استعمال سے پاک ہے، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مولانا سبحانی کو قلم پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اللہ جسے نواز دے!

رہا "رجم" کا اختلافی مسئلہ، تو میں اہل علم کو دعوت دونگا کہ وہ اس کتاب یعنی "حقیقت رجم" کا معروضی مطالعہ فرمائیں اور پھر کوئی رائے قائم کریں۔

میرا اپنا خیال جو پہلے تھا، وہی آج بھی ہے کہ ہر زانی اور زانیہ کو سو سو کوڑے لگائے جائیں، بلا کسی شرط اور تفریق کے، کتاب مذکور نے میرے موقف کو تقویت بخشی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک بار اور عرض کروں گا کہ مولانا سبحانی صاحب نے تحقیق اور احتیاط کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی نیک کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین

وہاں کوئی میرا حال پوچھے تو اس سے میرا مخلصانہ سلام عرض کیجئے۔ والسلام۔ دعا گو و طالب دعا

نقوش حیات نو

* اداریہ — صفحہ

تعلیم وتربیت میں سرپرستوں کا رول — محمد اسماعیل فلاحی — ۳

* بحث ونظر

مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات — پروفیسر خورشید احمد — ۸

ازواج مطہرات کی دینی اور علمی خدمات — ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی — ۲۱

دینی مدارس میں نصاب تعلیم کی تبدیلی ضرورت اور طریقہ کار — عبدالباری فلاحی — ۳۶

* سیر و سوانح

امام صالح بن زیاد سوسیؒ — محمد الیاس اعظمی — ۶۱

امام احمد بن حنبلؒ — محمد اطہرالدین فلاحی — ۶۵

* فقہ وفتاویٰ

عورت کی سربراہی — علامہ یوسف القرضاوی — ۷۳

* لکھ رہا ہوں جنوں میں ......

روداد سفر لکھنا ہے جرأت مستانہ — ابوالحسان لنگری — ۸۱

* شعر ونغمہ

غزلیں — شمسی، اختر، ثاقب، راز — ۹۳، ۹۴

* تعارف وتبصرہ

دینی مدارس اور عصر حاضر، خدمت حدیث میں ...... — عبدالبر اثری فلاحی — ۸۹

* جامعہ کے لیل ونہار

مولانا نور محمد حسینی فلاحی نگران اعلیٰ جناب اعجاز اسلم کا خطاب — محمد اسماعیل فلاحی — ۹۰

* کون سی وادی میں ......

روداد انجمن — منور حسین فلاحی — ۹۵

اداریہ

محمد اسماعیل فلاحی

تعلیم وتربیت میں سرپرستوں کا رول

ایک سرپرست جامعۃ الفلاح میں زیر تعلیم بیٹے کے نام ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔ "امتیازی نمبر ہر مضمون میں لاؤ، نماز و تلاوت اور ادب و احترام اپنی زندگی کے روز مرہ میں شامل کرو، اللہ تمہاری مدد فرمائے گا"۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

"تم نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے لیکن تمہاری تحریر خوش خط نہیں، اچھی تحریر، صاف لباس اور شرعی چہرہ لوگوں پر اچھا اثر ڈالتا ہے، تم ہر لحاظ سے اچھا کردار، اچھا نتیجہ، امتحان اور اچھے تاثرات قائم کرنے کی کوشش کرو"

ایک اور خط میں نصیحت کرتے ہیں۔

"عربی الفاظ کا ذخیرہ تمہارے پاس نہیں، قواعد کمزور ہیں، عربی ادب سدا کمزور رہیگا آج ہی سے روزانہ عربی الفاظ یاد کرو...... دیکھو ایسی ویسی حرکت نہ کرنا، ادب کرو، محنت کرو، تم جامعہ کا نظم درست کرنے نہیں گئے ہو، پڑھنے گئے ہو، اپنا کردار ہر طرح سے اسلامی بناؤ، دور سے دیکھ کر لوگ کہدیں کہ یہ تو صالح ہے"۔

ایک خط میں اپنے احساسات یوں ظاہر کرتے ہیں۔

"تمہارا امتحان پریشان کن رہا۔ محنت سے پڑھو، پچھلے دنوں جو کھویا ہے اسے پانے کی حتی الامکان کوشش کرو، کسی میں نمبر کم آرہا ہے، کوئی مضمون کمزور ہے، ششماہی کا نمبر سالانہ میں جوڑا جا رہا ہے اس سے بھی سخت تکلیف ہے۔ اب تو دوسرے لوگ طعنہ دے رہے ہیں، کیا سرخاب کا پر لگا، جامعہ بھیج کر کیا حاصل ہوا؟ عزیزم! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اب بھی موقع ہے محنت کرو، غیر ذمہ دار دوستوں اور احباب سے کنارہ کش ہو جاؤ، ایک ایک لمحہ کی قدر کرو اور کام میں لاؤ...... نماز کی پابندی کرو، قرآن کا روزانہ

مطالعہ ہو اور پابندی سے آموختہ دہرایا کرو۔"

ایک استاد کے نام اپنے ایک خط میں صاحبزادہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں (میرے صاحبزادے کے) آپ کلاس ٹیچر ہیں۔ درجہ میں بروقت حاضری، توجہ و عدم توجہ، مرض و تمارض کی صحیح خبر آنجناب کو ملتی رہتی ہوگی۔ میں تو سینکڑوں میل دور ہوں، نہ بروقت تنبیہ کر سکتا ہوں اور نہ کوئی ہدایت دے سکتا۔ مجھ جیسا ناچیز آپ کے تعاون کا بشدت محتاج ہے۔ براہ کرم عزیزم پر نگاہ رہے۔ احسان عظیم ہوگا مجھ پر کہ وقت پہ عزیزم آئیں، وقفہ میں راہ فرار یا حیلہ و بہانہ کو راہ نہ دیں یا درخواست بھیج کر اپنے باپ کو دھوکہ نہ دیں۔ اس کیلئے بندہ از حد ممنون و مشکور ہوگا۔"

مندرجہ بالا اقتباسات جناب ڈاکٹر صابر علی صاحب اصلاحی (بھاگلپور) کے خطوط سے نقل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح کے بے شمار خطوط ہیں جو وہ اپنے بچہ کے نام یا اسکے نگران دارالاقامہ، اساتذہ یا صدر مدرس کے نام لکھا کرتے رہے ہیں۔ ان خطوط سے بچے کے تئیں ان کی فکرمندی اور مسئولیت کا احساس ظاہر ہے۔ بچہ کو جامعہ میں داخل کرکے اپنے کو فرض سے سبکدوش نہیں سمجھ لیا ہے بلکہ سینکڑوں میل دور ہونے کے باوجود ہر ممکن طریقہ سے، کبھی نرمی سے، کبھی سختی سے، کبھی ذمہ داروں کو متوجہ کرکے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بچہ کی کسی غلطی کی تاویل نہیں کرتے، اسے چھپاتے نہیں بلکہ اس کا صحیح ادراک کرتے ہوئے اصلاح کی کوشش کرتے اور بچہ کے اوپر اپنا دباؤ برقرار رکھتے ہیں۔

جامعہ کے ایک سابق ناظم جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب کے صاحبزادے جامعہ میں زیر تعلیم تھے۔ ایک بار انہیں ایک استاد نے چند چھڑیاں لگائیں، انہوں نے اپنے والد سے شکایت کی۔ جامعہ کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہوتے ہوئے بھی والد نے اپنے لڑکے کو یہ کہکر تنبیہ کی "آج تو شکایت کر دی لیکن اب اگر آئندہ کی تو میں خود ماروں گا"۔

بظاہر یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اس سے ڈاکٹر صاحب کے دل میں استاد کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ اگر وہ اپنے لڑکے کی حوصلہ افزائی کر دیتے تو پھر تو وہ استاد

کی کبھی قدر کرتا اور نہ کبھی اسکی تعلیم مکمل ہو سکتی۔

بعض سرپرست اپنا فرض بچہ کو محض کسی مدرسہ میں داخل کر دینا ہی سمجھتے ہیں گویا اب انکی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر بچے کے تئیں انکی توقعات پوری نہیں ہوتیں اور وہ ان کے تخیلاتی نقشہ پر نہیں اترتا تو شکوہ سنج ہوتے ہیں۔ حالانکہ بچہ کو مدرسہ میں داخل کرنا کسی کارخانہ کی مشین میں خام مال ڈالنے کے مترادف نہیں کہ لازماً مطلوبہ سانچے کے مطابق ڈھل کر مال نکلے گا۔ بگڑا ہوا ماحول ہر چہار جانب تعفن، مادہ پرستی کی مسموم فضا جنسی بے راہ روی، اخلاقی انارکی اور تعیش کا سیلاب، نفرت و عداوت اور طرح طرح کے تعصبات کی آندھیاں اور ان کے درمیان مدرسوں کی شکل میں یہ چھوٹے چھوٹے جزیرے۔ ظاہر ہے یہ جزیرے باہر کی فضا اور باہر کے ماحول سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہاں کا پانی کیسے روح پرور اور یہاں کی ہوا کیسے صحت بخش برقرار رہ سکتی ہے۔ پانی کی صفائی کے لئے اتنے فلٹر (FILTER) اور فاسد ہوا کے اخراج کے لئے اتنے اگزاسٹ فین (EXHAUST FAN) کہاں سے آئیں گے۔

ان حالات میں سرپرستوں کی ذمہ داریاں کس قدر بڑھ جاتی ہیں اور ان کے تعاون کی ضرورت کتنی شدید ہو جاتی ہے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انہیں خود اپنے گھر کی فضا صاف ستھری اور اسلامی بنانا ہوگی، اپنے کو شعائر اسلام کا پابند کرنا ہوگا۔ اپنا ذہن، اپنا مذاق، اپنے میلانات اور مشاغل سب کی اصلاح کرنی ہوگی اور سب سے بڑھکر اولاد کی فکر کرنی ہوگی بہرحال اس کا بچہ کی اٹھان پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ کتنے سرپرست ہیں جو اپنے بچوں کی جا و بیجا خواہشات پوری کرنے کیلئے مدرسہ کے نظم کی پروا نہیں کرتے، انہیں وقت پر مدرسہ نہیں بھیجتے، مدرسہ کے ضوابط کی پابندی غیر ضروری سمجھتے ہیں، اساتذہ کی تنبیہ کو طبیب حاذق کا نشتر سمجھنے کے بجائے، اپنے بچہ کی بیجا رعایت کرتے ہوئے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ زوجین میں مستقل جھگڑا رہتا ہے اور چاہتے ہیں کہ بچوں میں محبت و اخلاص اور اتحاد و اجتماعیت پیدا ہو جائے، خود نماز کے پابند نہیں ہونگے لیکن خواہش ہوگی کہ بچہ تہجد گذار بن جائے۔ بولتے وقت دروغ گوئی اور دشنام طرازی،

معاملات میں بے ایمانی اور نہ جانے کیا کیا خرابیاں ہونگی لیکن خواب یہ دیکھیں گے کہ بچہ میں کسی پہلو سے کوئی نقص نہ رہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ جس قسم کا بیج ہوگا، جیسی زمین ہوگی، جس طرح کی کھاد ہوگی اور موسم کی جیسی بے اعتدالیاں ہونگی کیا پھل ان کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں گے۔

میں ایسے کتنے سرپرستوں سے واقف ہوں جنھوں نے بے جا لاڈ پیار میں مدرسے کے نظم کو توڑ کر، اور اساتذہ کی عزت نہ کرکے اپنے بچوں کو برباد کر ڈالا۔ جب وہ خود اساتذہ کا احترام نہیں کرتے تو ایسے بچے احترام کرنا کہاں سے سیکھیں گے۔ انہیں چاہیے کہ اساتذہ اور نگران دارالاقامہ سے مسلسل ربط رکھیں، ان کے مشوروں کا احترام کریں اور یہ معلوم کریں کہ ان کا بچہ کیسے اور کس حال میں ہے۔ کن پہلوؤں سے اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ روٹی کپڑے سے بڑھکر ان کی تعلیم و تربیت میں ترقی پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ اخلاقی بے راہ روی اور تعلیمی انحطاط پر جسمانی امراض سے بڑھکر فکرمند ہونا چاہیے۔ جو سرپرست اس جانب توجہ دیتے ہیں انہیں کے بچے آسمان کی بلندیوں پر پہونچتے اور ملک و ملت کی تعمیر میں فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ عمر ثانی عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام کس نے نہیں سنا ہوگا خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی لیکن کیا ان کے اندر دین سے محبت اور دینی حمیت آپ سے آپ پیدا ہوگئی تھی؟ ایک تو انکی رگوں میں عمرؓ بن خطاب کا خون دوڑ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عاصم کا نکاح ایک دیہاتی لڑکی سے اسکی ایمانداری اور تقویٰ سے متاثر ہوکر کردیا تھا۔ رات کے سناٹے میں ماں بیٹی سے دودھ میں پانی ملانے پر اصرار کررہی تھی۔ بیٹی آمادہ نہیں تھی۔ اس کا کہنا تھا مجھ سے یہ نہیں ہوگا، خلیفہ نہ دیکھ رہے ہوں تو کیا خدا تو دیکھ رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز اسی پاکیزہ خدا ترس جوڑے کی نسل سے تھے یعنی رگوں میں حلال و طیب روزی سے خون بن رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کے والد نے انکی تربیت پر خصوصی توجہ کی اور غیر معمولی اہتمام کیا جس کا نتیجہ تھا کہ بنوامیہ کے عام بگاڑ کے باوجود وہ اس سے محفوظ رہے۔

ان کے تذکرہ میں ملتا ہے کہ زمانہ طالب علمی میں ایک بار بال سنوارنے کی

وجہ سے نماز میں تاخیر ہوگئی۔ انکے استاد صالح بن کیسانؒ نے انہیں فضیحت کی لیکن جب انکے والد عبدالعزیزؒ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک نمائندہ بھیجا جس نے آکر پہلے انکے بال منڈوائے، اس کے بعد بات چیت کی۔ سرسید کے کارناموں سے کون واقف نہیں۔ لیکن سرسید سرسید کیسے بن گئے، اس میں انکی والدہ کی تربیت کا کتنا دخل تھا کم لوگوں کو معلوم ہے۔ ابھی وہ بچہ تھے۔ کسی بات پر خفا ہوکر ملازم کو پیٹ ڈالا والدہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بیٹے کا گھر ناپسند کرکے گھر سے نکال دیا۔ کئی روز بیا بانچ خالہ کے یہاں پڑے رہے۔ انکی والدہ نے انہیں اس وقت تک گھر میں آنے کی اجازت نہ دی جب تک انہوں نے ملازم سے معافی نہ مانگ لی۔

جامعۃ الفلاح میں بھی اور دیگر مدارس میں بھی اس وقت داخلے ہو رہے ہیں اس موقع پر سرپرستوں کو اپنا ذہن بالکل صاف کرلینا چاہیے۔ اور اپنی ذمہ داریاں سمجھ لینی چاہئیں۔ انہیں یہ احساس کرنا چاہیے کہ انکی ہر بات اور ان کے ہر کام کا اثر بچے پر مثبت یا منفی ضرور پڑتا ہے۔ خود بھی انہیں اپنے ذہن و مزاج کو اسلامی بنانا، شعائر اسلامی کو اختیار کرنا اور نظم کا پابند بننا ہوگا اور اپنے بچوں کو بھی بنانا ہوگا۔ ان کا سرگرم تعاون اگر مدرسے اور اساتذہ کو حاصل نہ رہا تو پھر ان کا بچہ وہ کچھ کیسے بن سکتا ہے جو وہ بنانا چاہتے ہیں اور جس کے لئے وہ اپنے رب کے سامنے جوابدہ ہیں۔

فارم ۴

ماہنامہ مجلہ حیات نو

مقام اشاعت: بلریاگنج اعظم گڑھ

وقفۂ اشاعت: ماہانہ

مالک: انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ

پرنٹر و پبلشر: نور محمد جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ

ایڈیٹر: نور محمد جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ، (ہندوستانی)

[illegible]

نور محمد

پانچویں اور آخری قسط

مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات

پروفیسر خورشید احمد

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جدید و قدیم کی کشمکش نے بہت سے ذہنوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ نئے دور میں ان دونوں میں سے ہر ایک، حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ناکافی ہے اور وقت کی بہت بڑی ضرورت جدید و قدیم کا امتزاج ہے۔ "ندوہ" قدیم نظام کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ایک کوشش کا نام ہے۔

اپریل ۱۸۹۴ء میں مدرسہ فیض عام، کانپور میں علماء کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں تعلیمی مسائل کا جائزہ لے کر یہ طے کیا گیا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعلیمی ضرورت پرانے نظام تعلیم کی اصلاح ہے۔ شروع میں تو یہ کوشش کی گئی کہ تمام اسلامی مدارس ایک نئے نصاب پر متفق ہو جائیں۔ لیکن جب اس میں کامیابی کا امکان زیادہ نظر نہ آیا تو کم از کم ایک ایسا مرکز قائم کرنا طے پایا، جہاں نئی اصلاحات کو روبہ کار لایا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے ۱۸۹۴ء میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء قائم ہوا۔ "ندوہ" کے بانیوں میں علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بزرگ علی (جو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ سے تعلق رکھتے تھے) مولانا عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مصنف "تفسیر حقانی" وغیرہ شامل تھے۔ "ندوہ" جلد ہی ایک علمی مرکز بن گیا اور اس کے مقاصد کی اشاعت کے لئے ایک ماہنامہ "الندوہ" کے نام سے جاری کیا گیا۔

"ندوۃ العلماء کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ "ندوہ" کی اولین خصوصیت پرانے نظام تعلیم کی اصلاح ہے۔ اور یہ اس کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ پرانے نصاب میں جو علوم مقصود بالذات ہیں، ان کی کتابیں بہت کم اور جو علوم بالواسطہ مقصود ہیں، ان کی کتابیں کثرت سے پڑھائی جاتی تھیں۔ ندوہ نے اس کمی کو نئے نصاب میں دور کرنے کی کوشش کی۔ تفسیر، عقائد، اور شریعت کے اسرار و حکم کو نصاب میں ایک اہم جگہ دی۔ نیز یہ کہ فلسفہ جدید اور انگریزی زبان کو شامل نصاب کیا۔ صرف و نحو کے مقابلے میں ادب و انشاء کو زیادہ اہمیت دی اور عربی بول چال کی طرف بھی توجہ دی۔ اس طرح ایک نیا نصاب وجود میں آیا جس میں قدیم کے عدم توازن کو دور کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور قدیم کے ساتھ ساتھ جدید کی گنجائش بھی پیدا کی گئی تھی۔

۲۔ پرانی روایات کو قائم رکھتے ہوئے "ندوہ" نے تعلیم کے ساتھ تربیت کا ضروری انتظام کیا۔ طلبہ کے لئے اقامت گاہ بنوائی گئی استاد اور طالب علم کے پرانے رشتے کو بحال کرنے کی کوشش کی گئی۔

۳۔ علماء کے باہمی نزاع اور اختلافی مسائل میں ردّ و کد سے احتراز کی روش اختیار کی گئی۔ اختلافی مسائل میں کشادہ نظری اور اعتدال کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ عام مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اور ان کے معاملات سے دلچسپی بھی پیش نظر رہی۔

۴۔ ایک اہم خصوصیت علوم و فنون کے علاوہ علمی صنائع کی تعلیم بھی ہے۔ گو اس پہلو سے عملاً زیادہ ترقی نہ ہو سکی لیکن تعلیم کا یہ وسیع تصور سامنے ضرور رہا۔

۵۔ "ندوہ" عملاً بھی جدید اور قدیم دونوں سرچشموں سے سیراب ہوا۔ ایک طرف قدیم علماء کا اجتماع اس میں ہوا اور دوسری طرف

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے علی گڑھ اور الازہر یونیورسٹی مصر دونوں سے فیضیاب ہوا۔

۶ ——— ندوہ کا ایک اور قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ وہ علمی و دینی تعلیمی حیثیت سے عالمِ اسلام سے جڑا رہا۔ مصر کے علماء سے براہِ راست استفادہ کیا گیا، عرب علماء کو تدریس کے لیے بلایا گیا۔ "ندوہ" کے اہلِ قلم سارے عالمِ اسلام کے ادبی رسائل سے استفادہ بھی کرتے رہے اور ان میں لکھتے بھی رہے۔ آج تک ندوہ یہ رشتہ قائم کیے ہوئے ہے۔

۷ ——— "ندوہ" تعلیم کے ساتھ ساتھ علم و تحقیق کی روایت کا بھی امین رہا۔ ندوہ کا ملت کو سب سے بڑا علمی عطیہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے، جو اس دور کے چوٹی کے علماء میں سے تھے، اس کے علاوہ بھی "ندوہ" نے بیسیوں اہلِ علم قوم کو دیے۔ سچی بات یہ ہے کہ دار المصنفین اعظم گڑھ نے جو عظیم خدمت علومِ اسلامی، خصوصاً اسلامی تمدن و تاریخ کے میدانوں میں کی ہے وہ ندوۃ العلماء کی وجہ سے ممکن ہوئی، اس لیے کہ ندوہ ہی کے تیار کردہ افراد نے اس ادارے کو سیراب کیا۔

۸ ——— بلاشبہ "ندوہ" نے مختلف ذرائع سے مالی اعانت حاصل کی اور اس بارے میں اس کا مسلک دیوبند سے مختلف رہا، لیکن بحیثیت مجموعی ندوہ نے اپنی آزادی کو کسی قیمت پر قربان نہ کیا اور انگریزوں کے معاملے میں اس کا رویہ بڑی حد تک آزادانہ رہا، بلکہ ایک دور تو ایسا بھی گزرا جب وہ سرکارِ برطانیہ کے عتاب کا نشانہ بنا رہا۔ ایک زمانے میں حکومت نے ۵۰۰ روپے ماہانہ کی گرانٹ بھی دی، لیکن عدم تعاون کی تحریک کے زمانے میں ندوہ نے یہ گرانٹ لینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ندوہ کا سیاسی رول بڑی حد تک آزادانہ اور اسلامی اور ملی عزائم و توقعات سے ہم آہنگ تھا۔

ندوہ کی یہ خصوصیات اور اس کا یہ کارنامہ ہماری تاریخ کا ایک درخشاں

باب ہے اور یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ تحریکِ اسلامی کو جو مردانِ کار ملے ان میں دار العلوم دیوبند کے مقابلے میں "ندوہ" کے تیار کردہ افراد زیادہ ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی قومی زندگی کے دھارے کو موڑنے میں ندوہ کوئی مؤثر اور محسوس حصہ ادا نہ کر سکا، غالباً اس کی وجوہ یہ ہیں۔

الف ——— "ندوہ" قدیم و جدید کے امتزاج کی ایک کوشش تو ضرور ہے، لیکن اس کی بہترین اور مناسب ترین کوشش نہیں۔ ندوہ کے ان ناقدین سے اتفاق نہ کیا جائے جو یہ کہتے ہیں کہ ندوہ کی مثال آدھا تیتر اور آدھا بٹیر جو نہ تیتر رہا، اور نہ بٹیر، بلاشبہ یہ تاثر یک رخا اور متشددانہ ہی سہی۔ تو بھی اس سے انکار مشکل ہے کہ جس نوعیت کی تخلیقی و انقلابی جدوجہد کی ضرورت تھی وہ ندوہ نہ کر سکا۔ ندوہ کی پوری تاریخ میں جدوجہد اور انقلابیت کے بجائے ایک ٹھہراؤ اور سکونی کیفیت ہے۔

ب ——— "ندوہ" نے نصاب کی حد تک تو نئے اور پرانے تقاضوں میں کچھ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن زندگیوں کے رخ کو موڑنے کے لیے پوری فکر اور تمدن و تہذیب کے پورے نظام کا جو نیا تصور ابھرنا چاہیے تھا، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ جدید تعلیم کے پیچھے ایک پورا تہذیبی نظام موجود تھا۔ پرانی تعلیم کے پیچھے بھی زندگی کا ایک مخصوص تصور پایا جاتا تھا، لیکن قدیم و جدید کے امتزاج کی جو کوشش ہو رہی تھی، اس کی فکری اور فلسفیانہ بنیادیں موجود نہ تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تعلیم ایک خاص فکر و تہذیب کی نمائندہ اور ایک انقلابی تحریک کی ہراول دستہ ہونے کے بجائے اس پورے ماحول میں ایک اجنبی سی چیز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تعلیم معاشرہ پر اپنا کوئی غیر معمولی اور ہمہ گیر اثر نہ ڈال سکی۔ اور تحریکِ اسلامی میں "ندوہ" کے تیار کردہ افراد کے لیے کشش کا راز بھی یہی ہے کہ اس تحریک نے فکر و نظر اور تہذیب و تمدن کا وہ انقلابی تصور دیا جو اس نوعیت کی تعلیم کے خلا کو پر کر رہا تھا۔

ج ——— "ندوہ" کی تعلیم میں یہ بات پوری طرح ملحوظ رہی کہ اس کے تیار کردہ افراد زندگی کے ایک شعبے میں نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں نفوذ کر سکیں۔ اس لئے ندوہ نے کچھ علما اور اہلِ قلم تو ضرور دیئے لیکن ایسے افراد تیار نہ کئے جو زندگی کے ہر میدان میں اپنا مقام پیدا کر سکیں۔

د ——— ندوہ نے جدید تعلیم کا اضافہ تو ضرور کیا، لیکن اس کا حصہ اتنا کم تھا کہ ندوہ کے طلبہ کی رسائی مغربی علوم کے اصل ماخذ تک نہ ہو سکی، یہی وجہ ہے کہ ندوہ مغرب سے استفادہ کر سکے اور نہ مغرب کے حقیقی چیلنج کا مقابلہ کر سکے۔

"ندوہ" ایک سنگلاخ زمین پر ایک نئی کوشش کے مترادف ہے۔ قدیم و جدید کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں "ندوہ" نے روشنی کی ایک ننھی منی شمع روشن کی، جو ان مہیب تاریکیوں کا سینہ تو نہ چیر سکی لیکن اس نے ان کے خلاف کچھ لمحات کے لئے احتجاج کو وجود ضرور بخشا

جامعہ ملیہ

پرانی تعلیم کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش ندوہ ہے تو نئی تعلیم میں پرانی تعلیم کی کچھ خصوصیات کو زندہ کرنے کی سعی جامعہ ملیہ ہے۔

تحریک عدم تعاون نے ہندوستان میں قومی تعلیم کی تحریک کو جنم دیا۔ شروع میں قومی تعلیم کی کوششیں بڑی حد تک ہندوؤں کے زیر قیادت ہوئیں اور جن مسلمان طلبہ نے انگریزی تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کیا، وہ بھی انہی نئے قومی تعلیمی اداروں میں داخل ہوئے لیکن چونکہ مسلمان ذہن ایک نئے قومی نظام تعلیم سے کبھی بھی اپنے کو ہم آہنگ نہ کر سکا، اس لئے شدت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ قومی تعلیم کے مقابلے میں مسلمانوں کی ملی تعلیم کا انتظام ہو، فطری طور پر نگاہیں علی گڑھ کی طرف اٹھیں اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری گرانٹ مسترد کر کے اسے ملی بنیادوں پر از سر نو منظم کیا جائے۔ یہ روائتی علی گڑھ کے لئے ناقابل ہضم تھی

پر جوش طلبہ جب اربابِ علی گڑھ سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے علی گڑھ کو چھوڑ کر علی گڑھ ہی میں ایک ملی تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ یہی جامعہ ملیہ اسلامیہ جو ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر کی سرکردگی میں قائم ہوا تھا۔ اور جس کا سنگِ بنیاد شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے رکھا۔ ابتدائی زمانے میں جامعہ ملیہ اور علی گڑھ کی کشمکش شدید رہی لیکن ۱۹۲۵ء میں جامعہ کے دہلی منتقل ہو جانے سے یہ کشمکش سرد پڑ گئی اور دونوں ادارے اپنا اپنا مخصوص کردار ادا کرنے لگے۔

جامعہ کی خصوصیات

ا ——— جامعہ نے سیکولر تعلیم کو بنیادی طور پر غلط قرار دیا۔ اسی طرح سیکولر تعلیم میں محض دینیات کے اضافے کو بھی ناکافی سمجھا۔ اس کے بانیوں نے یہ تصور پیش کیا کہ تعلیم کو علوم جدیدہ اور دین کا جامع ہونا چاہئے اور طالب علم کو بیک وقت دونوں میں مہارت حاصل ہونی چاہئے۔ اس کے لئے دین کی معقول تعلیم کا تقریباً ہر مرحلے پر انتظام کیا گیا، قرآن پاک اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے کو جزو نصاب بنایا گیا، عربی کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا، اور علوم اسلامی میں اختصاصی تعلیم کی گنجائش پیدا کی گئی۔

۲ ——— انگریزی کے بجائے جامعہ نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا یہ صحیح ہے کہ اس باب میں اولیت کا شرف جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کو حاصل ہے، جس نے ۱۹۱۸ء میں اردو کو یہ حیثیت دے دی تھی، لیکن جامعہ کا یہ کارنامہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ خصوصیت سے اس لئے کہ جامعہ عثمانیہ کا ادارہ بڑی حد تک حیدر آباد دکن تک محدود تھا، جبکہ جامعہ ملیہ کی حیثیت ملک گیر تھی۔ یہ ایک انقلابی اقدام تھا اور اگر اس روش کو مسلمانوں کے تمام تعلیمی ادارے اختیار کر لیتے تو آج ہماری کیفیت بڑی مختلف ہوتی۔

۳ ——— جامعہ کی ایک اور خصوصیت صنعت و حرفت کی

تعلیم ہے۔ جامعہ مسلمانوں کا جدید تعلیم کا وہ واحد ادارہ تھا جس نے تعلیم کا رشتہ ملازمت سے کاٹ کر معیشت کے گوناگوں تقاضوں سے جوڑا اور حرفتی تعلیم کے ذریعے معاش کے آزاد ذرائع کا بندوبست کیا۔ اس طرح وقت کے اہم تقاضے کو بھی پورا کیا گیا اور مسلمانوں کے پرانے اور وسیع و ہمہ گیر تصورِ تعلیم کو از سر نو زندہ بھی کیا گیا۔ اس کا سیاسی اثر یہ ہوا کہ اس کے تعلیم یافتہ افراد انگریزی حکومت کے دست نگر نہ رہے اور ان میں حریت پسندی کا جذبہ پروان چڑھا۔

۴ ——— جامعہ نے تعلیمی ماحول میں بڑی سادگی قائم کی۔ اساتذہ اور طلبہ سب کی زندگی قناعت کا نمونہ تھی۔ مصارفِ تعلیم بہت ہی کم رکھے گئے اور معیارِ زندگی کو سادہ اور عوام کی زندگیوں سے قریب تر رکھا گیا۔ نیز تعلیمی ماحول میں اسلامی روایات کے قیام کی بھی کوشش کی گئی۔

۵ ——— جامعہ نے ایثار و قربانی کا بھی اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔ خصوصاً جامعہ کے اساتذہ نے اسی اسپرٹ کا مظاہرہ کیا، جو مسلمان معلمین تاریخ میں ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت کے اساتذہ نے نہایت معمولی تنخواہ پر خدمات انجام دیں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے قربانی کی عمدہ مثالیں پیش کیں۔

۶ ——— جامعہ میں طلبہ اور اساتذہ کے تعلقات گہرے تھے۔ اور جامعہ نے کردار سازی کو بھی ایک اہم مقصد کی حیثیت سے اپنے سامنے رکھا۔

۷ ——— جامعہ کی علمی روایات زیادہ صحت مند اور امید افزا ہیں۔ جامعہ کے اساتذہ نے اپنی علمی کاوشوں کو برقرار رکھا اور تحقیق و تفتیش کے میدانوں میں برابر داد دیتے رہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب، مولانا محمد اسلم جیراجپوری وغیرہم کی تصانیف علمی دنیا میں اپنا مقام رکھتی ہیں۔

جامعہ ملیہ مختلف حیثیتوں سے ایک بڑا کامیاب تجربہ رہا۔ لیکن یہ بھی قومی زندگی پر اپنے ہمہ گیر اثرات نہ ڈال سکی۔ اس کی وجہ حکومت کی طرف سے مکمل عدم

تعاون اور وہ مشکلات ہیں جو ہر نئی راہ نکالنے والوں کو ایک مدت تک پیش آتی ہیں۔ جس حیثیت سے جامعہ کا کردار ذہنی پریشانی کا باعث ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جامعہ نے بیک وقت اسلامی اخوت اور متحدہ قومیت کا راگ الاپا اور ان میں جو بنیادی تضاد ہے اسے آخر تک بھی محسوس نہ کیا۔

جامعہ ملیہ کانگریس کے ساتھ اس درجہ منسوب ہو گئی تھی کہ مسلمان اپنی آزاد قومیت کے احساس اور اس کو منوانے کی جدوجہد کے دوران اس ادارے کو اپنا نہیں سکے اور نہ ان کا پیغام ان کی رگ و پے میں اتر سکا۔ ہماری نگاہ میں یہ جامعہ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اگر اس سے بچا جاتا تو نہ راستے کی مشکلات اس کے قدم روک سکتیں اور نہ حکومت کی مخالفت اس کے لئے سنگ راہ ثابت ہوتی۔ یہ فکر و نظر کا یہ تناقض اس کی پیش قدمی میں حائل ہوا اور یہ تجربہ اپنے صحیح رنگ میں نہ ہو سکا۔

یہ بھی جامعہ کی بدقسمتی ہے کہ اسلامیات کا شعبہ بڑی مدت تک ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں رہا جس کے علم و فضل کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے لیکن جس کے عقائد و تصورات امت کے تصورات سے مختلف تھے اور انکارِ حدیث کی بنا پر مسلمان قوم بجا طور پر ان کے خیالات سے ابا کرتی تھی۔

حرفِ آخر

گزشتہ صفحات میں پاک و ہند میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام، جدید تعلیم کا آغاز اور اس کا تاریخی ارتقاء اور مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات کا جائزہ لیا گیا ہے، اب ہم بحیثیت مجموعی انگریزوں کی آمد سے لے کر حصولِ آزادی تک کے بارے میں چند نکات پیش کریں گے۔

۱ ——— یہ امر واقعہ ہے کہ انگریزوں کو اس ملک کی تعلیم سے کوئی حقیقی دلچسپی نہ تھی۔ انہوں نے یہاں ایک صحت مند اور ترقی پذیر نظام تعلیم

کو ختم کیا اور نیا نظام قائم کیا۔ اس میں نہ ملک کی ضروریات کا خیال رکھا اور نہ اعلیٰ تعلیمی مقاصد کے تحت اسے پروان چڑھایا گیا۔ لارڈ ہیسٹنگز اور ڈنکن DUNCAN بھی یہی سمجھتے رہے کہ تعلیم کو متحارب سیاسی گروہوں کے درمیان ربط و مصالحت کا رول ادا کرنا چاہیے۔ ۱۸۱۳ء کے "چارٹر" میں مشرقی ادب کے احیاء اور مقامی اہل علم کی حوصلہ افزائی کا ذکر کیا گیا، لیکن ۱۸۳۵ء کی "یادداشت" میں اس تصور کو بھی مٹا دیا گیا۔ اور صاف صاف یہ بات ملحوظ رکھی گئی کہ صرف مغربی فنون اور مغربی سائنس اور مغربی فلسفہ و ادب کی ترویج کی جائے۔ حد یہ ہے کہ ۱۸۸۲ء کے تعلیمی کمیشن نے مقاصد تعلیم نوعیت کی کسی چیز کا ذکر تک نہیں کیا اور بیسویں صدی کے آغاز میں لارڈ کرزن یہی کہتے رہے کہ "تعلیم کو تو در اصل ہندوستانی ذہن کی فکری خامیاں درست کرنے کا کام سرانجام دینا چاہیے"۔ گویا کسی دور میں بھی اور کسی سطح پر بھی نہ ہندوستان کے مسائل پر غور کیا گیا، نہ یہاں کی تعلیمی ضروریات کا جائزہ لیا گیا اور نہ مغربی تصورات تعلیم کی روشنی ہی میں مقاصد تعلیم پر کوئی توجہ صرف کی گئی۔ اس کے مقابلے میں جو کچھ کیا گیا، وہ یہ ہے کہ تعلیم کو فلسفہ حیات، مقاصد تعلیم، اخلاقی اقدار اور حقائق زندگی سے کاٹ کر محض تمدنی خوشہ چینوں اور ادنیٰ ملازمین کی ایک نئی فوج تیار کرنے میں استعمال کیا گیا۔ یہ ہندوستان ہی کا المیہ نہیں، خود تعلیم کا بھی المیہ ہے۔ تعلیم کو یہ پستی شاید ہی کسی اور دور میں دیکھنا نصیب ہوئی ہو، اسلئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ در حقیقت تعلیم کے مسئلے کی طرف حقیقی توجہ دی ہی نہیں گئی۔ بلکہ تعلیم کو محض سیاسی اغراض کے لئے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا گیا۔

۲ ——— جو نیا نظام تعلیم اس ملک میں پروان چڑھا، وہ نہ تو ملک کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا اور نہ بین الاقوامی دنیا کے تقاضوں کو۔ اس تعلیم کا کوئی تعلق ہندوستان کی سرزمین اور یہاں کے لوگوں کی تاریخ، تمدن اور ثقافتی ضروریات سے نہ تھا۔ بین الاقوامی پیمانے پر مشرق و مغرب کی جو

کشمکش رونما تھی اور جو نظریاتی تصادم درپیش تھا، اس تعلیم میں اس کا کوئی شعور نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی نظام محض جی حضوری تو پیدا کر سکا لیکن ایسے انسان نہ پیدا کر سکا، جو نئے حالات میں نئی راہیں نکال سکے۔

۳ ——— تعلیم کے ساتھ جو سلوک انگریزوں نے کیا، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت وہ ملک چھوڑ کر گئے، ملک میں خواندگی کا معیار ٪ ۱۱۰۸ اور اسکول سے تعلیم یافتہ افراد کا تناسب ٪ ۵ سے بھی کم تھا۔ لیکن جس وقت انہوں نے اقتدار سنبھالا تھا، خود ان کی سرکاری رپورٹیں تسلیم کرتی ہیں کہ مدرسوں کے ذریعے تعلیم حاصل کئے ہوئے افراد کا اوسط ۲۵ سے ۳۲ فیصد تک تھا۔ ایک طرف یہ حقائق ہیں اور دوسری طرف یہ بے سروپا دعوے کہ "انگریزوں نے ہندوستان کو تعلیم دی اور تہذیب دی"۔ اگر اس کا نام فروغ تعلیم ہے تو نہ معلوم تعلیم کی تباہی کو کس نام سے پکاریں گے۔؟

۴ ——— نئے نظام تعلیم نے جو تعلیمی طریقے اختیار کئے، وہ غلط ہی نہیں تباہ کن بھی تھے۔ مقامی تعلیمی طریقوں کو یکسر نظر انداز کیا گیا اور وسط انیسویں صدی کے انگریزی نمونے کو سامنے رکھا گیا، جس کا کوئی تعلق یہاں کی تاریخ اور تہذیب سے نہ تھا۔ انگلستان ایک صنعتی ملک تھا، جہاں معاشی ترقی ہو چکی تھی، دولت کی فراوانی تھی، اور شہری زندگی کا چلن تھا۔ جب کہ ہندوستان نسبتاً ایک غریب اور خالص زراعتی ملک تھا، جہاں آبادی کی اکثریت دیہاتی تھی۔ ایسے ملک میں وہ طریقے کیسے چل سکتے تھے، جو انگلستان میں رائج تھے، پھر انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا کر عوامی تعلیم کے دروازے بند کر دیئے گئے اور ہندوستان کی اپنی زبانوں کے ساتھ سوتیلی ماں والا سلوک کیا گیا۔ یہ ان کے پنپنے اور ترقی پانے میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔

۵ ——— انگریزوں کے دور اقتدار میں ہندوستان کو معاشی اور معاشرتی حیثیت سے ترقی دینے کی کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں ہوئی اور

نظام تعلیم بھی اس ضرورت کی طرف سے قطعاً بے گانہ رہا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہاں تعلیم کا کوئی تعلق ملک کی تمدنی اور معاشی ضروریات سے پیدا نہیں ہوا اور یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے کہ جدید تعلیم کے فروغ کے ساتھ تعلیم یافتگان طبقے بے روزگاری میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ اور آج بھی پاک و ہند دونوں اس مسئلے سے دوچار ہیں کہ ایک طرف ملک کو تجربہ کار اور تربیت یافتہ افراد کی شدید ضرورت ہے جو اس کی پس ماندگی کو خوش حالی اور ترقی سے بدل دیں اور جن کے ہاتھوں بھوک اگانے والی زمینیں، خوشحالی اور فراوانی کے کھیت بن جائیں۔ دوسری طرف جتنے افراد ڈگریاں لے کر زندگی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں بے روزگاری میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جاتا ہے اور ان میں ملک کی ضرورت پورا کرنے کی کوئی صلاحیت نظر نہیں آتی۔

۶ ــــــــ اس پورے دور میں کوئی تعلیمی منصوبہ کارفرما نظر نہیں آتا۔ کسی موقع پر بھی ملک کی تعلیمی ضروریات کو سامنے رکھ کر ان کو پورا کرنے کے لئے نقشۂ کار نہیں بنایا گیا، صرف ایک گروہ کی تعلیم پیش نظر رہی۔ اس سے آگے ملک کی ضروریات کو سامنے رکھ کر ان کو پورا کرنے کا شعور نہ یونیورسٹی میں تھا، نہ نظام میں اور نہ شعبۂ تعلیم میں۔ نگاہ صرف وقتی مسائل پر رہی اور تعلیمی ماہرین اپنی ناک (اور وہ بھی برطانوی استعمار کی پلاسٹک سرجری شدہ) سے آگے نہ دیکھ سکے۔ اگر کسی معاملے میں دوراندیشی اور سرگرمی نظر آتی ہے تو صرف یہ کہ مشرقیت کا ہر رنگ مٹ جائے اور مغربیت کا رنگ چڑھ جائے۔ اس سے ہٹ کر اصل تعلیمی معاملات میں نہ منصوبہ بندی ہے، نہ دوراندیشی ہے، نہ معاملات کا شعور ہے، نہ مسائل کا فہم ہے، اور نہ تنظیم کے ساتھ کوشش اور جدوجہد کی مثال ملتی ہے۔

۷ ــــــــ جو بات اس نئی تعلیم کے حق میں زیادہ سے زیادہ کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں مغربی فکر و ادب تک رسائی ہوئی

مغرب کے اصول تنقید کی روشنی میں مشرقی علوم کا ازسرنو مطالعہ شروع ہوا۔ ہندوستانی زبانوں، خصوصیت سے سنسکرت پر تحقیقی کام کیا گیا، طباعت و صحافت نے ایک حد تک ترقی کی۔ مغرب کے سیاسی نظام اور سیاسی جدوجہد کے اسالیب نے یہاں راہ پائی اور بالآخر انگریزوں کا مقابلہ انگریزوں کے فراہم کردہ ہتھیاروں سے ہوا۔ لیکن ان تمام باتوں کو فراخ دلی سے مان لینے کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ سب کچھ اس نئے تعلیمی نظام کا مقصد نہ تھا۔ ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک ضمنی نتیجے کی ہے اور جو نقصان اس نظام نے پہنچایا اس کو ان معمولی سی تبدیلیوں سے کوئی علاقہ نہیں۔

۸ ــــــــ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے یہ دور سب سے زیادہ تلخ، سب سے زیادہ تباہ کن اور سب سے زیادہ مضرت رساں رہا۔ اس لئے کہ نئی تعلیم میں اصل ہدف مسلمان ہی تھا اور ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ انگریز اپنی چال میں کامیاب رہا اور اس نے محض تعلیم ہی کو تباہ نہ کیا، بلکہ نئی نسل کے ذہن و فکر کو بھی بگاڑ دیا۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے کبھی بھی نئے نظام سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہمیشہ اس کے خلاف نت نئے انداز سے بغاوت کرتا رہا، لیکن یہ کوششیں زیادہ مؤثر نہ ہو سکیں اور ریاست کی ساری قوتوں کے ساتھ جو تباہ کن انقلاب برپا کیا جا رہا تھا اس کا راستہ نہ روکا جا سکا۔ کچھ تو اس نئے سیلاب میں بہ رضا و رغبت بہہ گئے اور کچھ مجبوری سے، لیکن اپنے آپ کو سنبھالنا سب کے لئے مشکل ہو گیا۔

اس وقت مسلمانوں کو جو تعلیمی مسئلہ درپیش ہے، وہ دراصل اسی تاریخی صورت حال کا پیدا کردہ ہے۔ ہم ایک ایسے نظام تعلیم میں گھرے ہوئے ہیں جو ہماری تاریخ، ہماری ثقافت، ہمارے مذہب، ہماری ملی ضروریات، ہمارے ادب، ہماری روایت ہر ایک کے لئے چیلنج ہے۔ ساری زبانیں اس کے مستقبل (ز ثقافت) نوحہ کناں ہیں۔ لیکن جو ذہن خود اس نظام کا پیدا کردہ ہے، وہ

کی شاہراہ کے نشانات دیکھنے سے معذور ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ تعلیمی نظام کے کسی ایک پہلو کی نہیں بلکہ پورے نظام کی اصلاح ہے۔ اس کے مقاصد، اس کے اصول تنظیم، اس کے نصاب، اس کا طریق تدریس، اس کا ماحول غرض ہر چیز انقلابی تغیر و تبدیلی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتیں جب تک اس پورے نظام کو از سر نو اسلامی بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے یعنی اس نظام کو مٹانا ہے اور اس کی جگہ ایک بالکل نیا نظام قائم کرنا ہے۔ جب تک تخریب و تعمیر کا یہ عمل بروئے کار نہیں لایا جائے گا ہماری ضرورت پوری نہیں ہو سکتی اور تاریخ کے تقاضے تشنۂ تکمیل رہیں گے۔

مولانا مودودیؒ کے اقوال زریں

مرتب:- عبدالبر اثری فلاحی

عظیم مفکر، مجدد، مصلح مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی عبادات، معاشرت، سیاسیات اور جدید نظریات پر بیش بہا آراء، نیز ان کی گرانقدر تصنیفات کے چیدہ چیدہ اقتباسات اور عبارتوں کا مجموعہ۔

عمدہ کتابت و طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل۔

قیمت:- ۱۵ روپئے

ملنے کا پتہ:-

دانش بک ڈپو ٹانڈہ ضلع فیض آباد (یو پی)

جامعہ بک سنٹر بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ازواجِ مطہرات کی دینی اور علمی خدمات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات محض رسول اللہ کی بیویاں اور مسلمانوں کی مائیں نہیں تھیں بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ معلم اول صلی اللہ علیہ وسلم کی قریب ترین شاگرد اور اسلامی تعلیمات کی عظیم ترین علمبردار تھیں۔ کیونکہ دوسرے صحابہ کرام تو زیادہ تر جلوت و مجلس کے محرم راز تھے مگر ازواج مطہرات مجلس و خلوت دونوں کا علم رکھتی تھیں اور خلوت میں سنت نبوی کی سب سے زیادہ بلکہ بلا شرکت غیرے عالم تھیں اور ان سب میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ بلکہ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ ان کو "چند بزرگوں کو چھوڑ کر تمام صحابہ پر فوقیت عام حاصل تھی۔" یہ باب اتنا وسیع ہے کہ اس پر ایک ضخیم دفتر لکھا جا سکتا ہے اور سید صاحب موصوف نے حضرت عائشہ کے علم و فضل اور علمی دینی خدمات پر سیر حاصل کلام پہلے ہی کر دیا ہے لہٰذا اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ان نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو ازواج مطہرات کے مختلف میدانوں میں دینی و علمی خدمات سے متعلق ہیں۔

ازواج مطہرات کی دینی خدمات کا تجزیہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کتب حدیث و سیرت کی ان روایات کا تجزیہ کیا جائے جن میں ان کی سند و حوالہ پر مختلف اسلامی احکام اور دینی تعلیمات بیان کی گئی ہیں، پھر ان کو فن وار الگ

الگ الگ کرکے ان میں سے ہر ایک کا تجزیہ کرکے ان کی خدمات کی کمیت و کیفیت بتائی جائے جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے حضرت عائشہؓ کی سیرت میں کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید، حدیث، فقہ و قیاس، علم کلام و عقائد، علم اسرار الدین، طب، تاریخ ادب و خطابت، شاعری، تعلیم اور ارشاد جیسے عناوین کے تحت حضرت عائشہؓ کی خدمات کا تجزیہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جو فضیلت حاصل ہے اور ان کی جو عام فوقیت ہے، اس کو دوسری ازواج مطہرات بھی نہیں پہنچتیں۔ اس لئے مذکورہ بالا عناوین میں سے کئی میں دوسری ازواج مطہرات کی خدمات یا تو نظر ہی نہ آئیں گی یا ان کی حیثیت کم ہوگی۔ بہرحال اسی اسوۂ ندوی کا ایک مختصر تجزیہ پیش ہے۔

وحی قرآن: نزول و تدوین و تفسیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نزولِ وحیِ الٰہی کے مختلف انداز جانتی تھیں اس کے ساتھ انہوں نے کئی بار نزولِ قرآن کریم کی کیفیت بچشم خود ملاحظہ فرمائی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے آپ پر شدید سردی کے دن وحی نازل ہوتے دیکھی اور جب اس کا نزول ختم ہوتا تو آپ کی پیشانی پر پسینہ کی دھاریں بہہ رہی ہوتی تھیں[1] اگرچہ اس حدیث کا موقع و محل مذکور نہیں ہے تاہم اس کا تعلق حدیث افک کے واقعہ سے متعلق آیات الٰہی کے نزول سے بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عائشہؓ کے گھر بلکہ ان کے بستر و لحاف میں اترنے والی وحی الٰہی سے بھی[2] نزول قرآن مجید کے کئی چشم دید واقعات اور عینی شہادتوں پر مبنی روایات حدیث و سیرت کے مآخذ و مصادر میں بیان ہوئی ہیں ان کی بنا پر یہ تقریباً حتمی طور سے بیان کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ ساتھ تمام ازواج مطہرات نے بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے نزول کا منظر خود اپنی چشم حقیقت نظر سے دیکھا تھا۔ اس بیان کی مزید تائید ان روایات اور واقعات سے ہوتی ہے جو ازواج مطہرات کے بیوت و

مکانات میں قرآن مجید کے نزول سے متعلق ہیں۔ ان میں ان کے مشاہدے کی حقیقت مضمر ہے خواہ روایات میں اس کی صراحت آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ جن روایات میں وضاحت و صراحت آئی ہے ان کا ذکر اوپر تفصیل کے ساتھ آچکا ہے لہذا ان کو پھر دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم محض مسئلہ زیر بحث کو مزید واضح کرنے کے لئے اتنا دہرا دینا ضروری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا دوسری امہات المومنین جن کا ذکر خیر اس ضمن میں آیا ہے ان میں حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت سودہ کے اسمائے گرامی واضح ہیں۔ بقیہ ازواج مطہرات کے بارے میں بھی یہی حقیقت تھی اگرچہ اس کا صاف ذکر نہیں ملتا۔ جہاں تک نزول وحی کی کیفیات و شرائط کا ذکر ہے ان کا بیان بھی بعض ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے ملتا ہے۔ ان کی روایت ہے کہ حضرت حارث بن ہشام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کے نزول کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا۔ کبھی تیز گھنٹی کے بجنے کی مانند آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ پھر وہ کیفیت دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہوتا ہے۔ اور کبھی فرشتہ میرے سامنے انسانی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے وہ میں یاد کر لیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے نزول وحی کے آپ پر اثر و کیفیت کا جو مشاہدہ بچشم خود کیا تھا اور جس کا اوپر ذکر آچکا ہے بیان پیش کیا ہے[3] اگرچہ اس موضوع سے براہ راست اس کا تعلق نہیں تاہم اولین نزول وحی کے لئے بخاری کی اسی باب کی روایت بھی زیر نظر رہنی چاہئے جس میں غار حرا میں آپ پر سورہ علق کی ابتدائی آیات کے نزول اور اس کے بعد کے پورے واقعہ کا ذکر ہے اور وہ بھی حضرت عائشہ ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔[4]

تدوین قرآن مجید کے ضمن میں امام بخاری کی نقل کردہ روایت کافی

اہم ہے جس کے مطابق حضرت عائشہ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک شخص کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اس نے مجھے فلاں فلاں آیات یاد دلادی جن کو میں فلاں فلاں سورہ سے بھول چکا یا ساقط کر چکا تھا (اَسْقَطْتُهُنَّ) حضرت عباد بن عبداللہ نے حضرت عائشہ سے یہ مزید نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر (بیتی) میں تہجد کی نماز پڑھی اور عباد بن بشر کی آواز سنی جو مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرمایا! اے عائشہ کیا عباد کی آواز ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، اے اللہ عباد پر رحم فرما۔ ؎ امام مالک ابن انس اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ کے مولیٰ حضرت ابو یونس سے نقل کیا ہے کہ ام المومنین نے مجھ کو مصحف لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى الخ والی آیت کریمہ تک پہنچو تو مجھے اطلاع دے دینا چنانچہ میں نے جب ان کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى کے بعد صلوٰۃ العصر کے فقرہ کا اضافہ فرمایا اور کہا کہ میں نے ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ اسی کے بعد انہوں نے یہی روایت حضرت عمرو بن رافع سے نقل کیا ہے کہ میں ام المومنین حضرت حفصہ کے لئے ایک مصحف لکھ رہا تھا اور انہوں نے بھی یہی فقرہ بڑھوایا تھا۔ اس روایت میں فرق یہ ہے کہ اس کو حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں کیا۔ ؎ تالیف وتدوین کے علاوہ ان دونوں روایات کا تعلق تفسیر سے بھی ہے کہ صلوٰۃ عصر کو نماز اوسط (الصلوٰۃ الوسطیٰ) قرار دینے والا فقرہ کلام الٰہی نہیں ہے بلکہ وہ حدیث نبوی ہے جو صلوٰۃ وسطیٰ کو نماز عصر قرار دیتی ہے اور اس کی وضاحت و تبیین کرتی ہے امام بخاری نے ایک اور روایت حضرت عائشہ کے بارے میں یہ بیان کی ہے کہ یوسف بن ماہک ان کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک عراقی نے حضرت عائشہؓ سے ان کا مصحف مانگا تاکہ وہ اس کی بنا پر اپنے نسخہ قرآن کی تالیف

کرے کیونکہ وہ بلا تالیف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ اس املا کیا حرج ہے۔ آیات اور سورتیں آگے پیچھے نازل ہوتی رہیں۔ لوگوں نے جب اسلام قبول کر لیا تو حرام و حلال کی آیات نازل ہوئیں۔ اگر شراب و زنا کی حرمت پہلے ہی نازل ہو جاتی تو کون اسے مانتا۔ حضرت عائشہ نے کچھ اور باتیں بتانے کے بعد اپنا مصحف نکالا اور اس کی سورتوں کی ابتدائی آیات لکھوا دیں۔ ؎ اس سے اہم روایت یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ کے بقول حضرت عبداللہ بن عباس آیت قرآنی حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا یعنی آخری لفظ كُذِبُوْا کو مخفف (بلا تشدید) پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے اس کی تصحیح کی اور اس کی صحیح تلاوت كُذِّبُوْا مشدد بتائی۔ ؎ اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تفقہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ معاذ اللہ! اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسول سے ایسی کسی چیز کا کبھی وعدہ نہیں کیا۔ البتہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی موت سے قبل یہ ضرور واقع ہوگا۔ لیکن رسولوں کو ہمیشہ بلاؤں اور ابتلاء و آزمائش کا سامنا رہا حتیٰ کہ ان کو یہ خدشہ اور خوف محسوس ہوا کہ ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی ہو جائیں گے کہ وہ انہیں جھٹلانے لگے اسی لئے وہ اس کو مشدد پڑھا کرتی تھیں۔

تدوین قرآن کریم کے ضمن میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ وہ امام مصحف جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد حکومت میں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ ترتیب کے مطابق مدون کیا تھا پہلے خلیفہ اول سے خلیفہ دوم کو منتقل ہوا اور ان کی وفات (شہادت) کے بعد حضرت حفصہ کے پاس بطور امانت محفوظ ہوا تھا۔ ؎

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر اور قرآنی تفقہ کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی نے جن آیات کریمہ کا بطور خاص ذکر کیا ہے ان میں صفا و مروہ کے سعی طواف کے وجوب کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۸

کی آیت ۱۱ رسولوں کی تکذیب کے بارے میں، چار بیویوں کی اجازت کے بارے میں سورہ نساء آیت ۳ اور اسی سورہ کی آیت ۱۹ یتیم لڑکیوں کی تولیت اور شوہر سے شکایت زوجہ کے بارے میں اور اسی سورہ کی آیت ۱۰ ظلم سے دوسروں کا مال کھانے کے بارے میں، صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۸ اور دل کے خیالات واکتسابات کے بارے میں اسی سورہ کی آیت ۲۸۴ شامل ہیں، بعض دوسری آیات کا ذکر ضمناً آیا ہے۔ ان تمام آیات کریمہ میں حضرت عائشہ سے نہ صرف ان کی صحیح تفسیر منقول ہے بلکہ ان کے بارے میں دوسرے صحابہ کی غلط فہمی کا ازالہ اور ان کا قرآنی تفقہ بھی مضمر ہے۔[۱۸] حضرت سید صاحب نے کل نو دس آیات کریمہ میں حضرت عائشہ کی تفسیر کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "ان آیات کی تفسیروں کے علاوہ اور آیتوں کی تفسیریں بھی ان سے مروی ہیں، لیکن ہم صرف اس لئے ان کو نظر انداز کرتے ہیں کہ وہ عام طور سے معلوم اور مفسرین میں معروف ہیں اور ان کو اپنے دوسرے معاصروں سے ان کی تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں"۔[۱۹] اس بیان کو محض اس کے عظیم محقق کی جاہ و منزلت کی بنا پر قبول نہ کرنا چاہیے۔ تنقید و تحقیق کے بعد قبول کرنا چاہیے۔

جن دوسری ازواج مطہرات سے بعض قرآنی خدمات مروی ہیں ان میں حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کی بعض مرویات کا ذکر اوپر مکانات نبوی کے تعلق سے آچکا ہے۔ پوری مفصل بحث تو ایک پورے دفتر کا تقاضہ کرتی ہے اور اس کو کسی حد تک ایک الگ مضمون میں پورا کرنے کی ایک محدود کوشش کی گئی ہے۔ یہاں اس کے بعض اہم مباحث و روایات کا ایک سرسری سا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ یہ بحث اپنی جگہ مکمل ہو جائے۔ حضرت

عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ تینوں سے الگ الگ مروی ہے کہ سورہ بقرہ آیت ۲۳۸ میں مذکور الصلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد نماز عصر ہی ہے۔ ان تینوں ہی امہات المومنین کے بارے میں اسی ضمن میں یہ بھی منقول ہوا ہے کہ انہوں نے بالترتیب اپنے موالی ابو یونس اور عمرو بن رافع اور عبید اللہ بن رافع سے اپنے لئے ایک ایک مصحف لکھوایا تھا۔ اولین مصاحف قرآنی کے لکھوانے کی انفرادی کوششوں میں غالباً قدیم ترین مساعی میں ہیں۔ حضرت ام سلمہ سے سورہ بقرہ آیت ۲۲۳ میں وارد ہونے والے لفظ قرآنی "حرث" کی مراد بیوی کا "قبل" ہی ہے، انہیں کی سند پر سورہ آل عمران آیت ۳۲ اور سورہ احزاب آیت ۳۵ کے نزول کا ذکر بھی آیا ہے۔ اور سورہ آل عمران آیت ۱۹۵ کا بھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز مغرب میں سورہ طور پڑھنے کا ذکر حضرت ام سلمہ کی ایک اور روایت میں آتا ہے۔ جب کہ نزول قرآن کریم کے باب میں انہیں ام المومنین نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آپ کی خدمت میں حاضر دیکھا تھا اور وہ پیغام سنا تھا جو آپ کے پاس وہ لائے تھے اور بعد میں اسے آپ نے مسجد نبوی میں حاضرین کے سامنے اپنے خطبۂ عالیہ میں بیان فرمایا۔ مصحف قرآن کی روایت و قرأت اور تدوین کے بارے میں وہ روایت بہت مشہور ہے جس کے مطابق عہد صدیقی میں تیار کردہ مصحف امام حضرات شیخین کی وفات کے بعد حضرت حفصہ کی حفاظت و قبضہ میں رہا تھا اور جس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے متعدد مصاحف قرآنی تیار و نقل کرا کے مختلف صوبوں میں بھیجا تھا۔ حضرت ام سلمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت قرآن کریم کے طریقہ اور نماز شب میں قیام و قرأت کے بارے میں دو روایتیں نقل ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان سے قرآن کریم کی بعض قرأت جواب شاذ ہیں مروی ہوئی ہیں۔ دوسری ازواج مطہرات کی قرآنی خدمات کے ضمن میں اتنی ہی روایتیں سردست مل سکی ہیں اور وہ سب کی سب احادیث

نبوی سے مستفاد ہیں، اسلامی تفاسیر کا تجزیہ نہیں کیا گیا ورنہ ان کی تعداد کافی ہو سکتی ہے[۲۹]

سُنت و فقہ

حق یہ ہے کہ سنت و فقہ کے میدان میں تنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمات جلیلہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان پر کئی دفتر لکھے جا سکتے ہیں علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرت عائشہ میں اڑتیس مطبوعہ صفحات میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے آسانی اور دیانت دونوں کا تقاضہ ہے کہ علامہ موصوف کی بحث کے بنیادی نکات کی تلخیص یہاں پیش کر دی جائے اور موقع و محل کے اعتبار سے اگر ممکن ہو تو اضافہ کر دیا جائے یا بعض نکات کی تشریح و تعبیر مزید کر دی جائے۔ دوسری ازواج مطہرات کی اس میدان علم و فضائل میں خدمات طیبہ کا تجزیہ بعد میں کیا جائے گا۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے ابتدا میں حضرت عائشہ صدیقہ کی کثرت روایات کے اسباب و عوامل اور حالات سے بحث کرتے ہوئے دو پہلو سامنے رکھے اور قارئین کے آگے پیش کئے ہیں۔ اول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف ذاتی اور کمالات شخصی کا ذکر کیا ہے اور ان میں ام المومنین کی فطری ذہانت، قوت حفظ، فہم و ادراک، سمجھ اور استعداد، عقلی و دماغی قوتوں میں روز افزوں ترقی، دقت رسی اور نکتہ فہمی، تفقہ اور قوت استنباط، اسباب و مصالح احکام کے علم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا روایت و حدیث کے اصل راوی سے مراجعت نقل حدیث میں حزم و احتیاط، قوت ادراک و استدراک، قرآن و حدیث کے باہمی تعلق، مغز سخن تک رسائی، ذاتی واقفیت اور ان جیسے بعض دوسرے اوصاف کو شامل کیا ہے۔ دوم معاصر صحابۂ کرام اور بالخصوص ازواج مطہرات سے موازنہ کرتے ہوئے ان مواقع، حالات اور اسباب و عوامل کو بیان کیا ہے جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو دوسرے معاصرین بالخصوص ان کی

سوکنوں پر ان کو بدرجہا فضیلت و تفوق عطا کر دیا تھا۔ ان میں صحبت نبوی سے دو چند فیضیابی، مدت العمری، مسجد نبوی سے قربت اور مسلم امت کے رجوع عام وغیرہ کو شامل کیا ہے[۳۰] علامہ موصوف کی اس تجزیاتی بحث سے انکار یا اختلاف کی گنجائش نہیں ہے تاہم بعض امور کی تشریح و تعبیر میں اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باب میں ضعیف العمری نہ صحت سے معذوری اور قویٰ میں انحطاط کا ذکر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ تاہم حضرت عائشہ صدیقہ کے باب میں بعض اور اسباب کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکثرین رواۃ میں شامل ہیں جن سے ہزار سے اوپر روایات منقول ہیں۔ درجہ بندی کے لحاظ سے وہ چوتھے مقام کی حامل ہیں کہ ان سے کل دو ہزار دو سو دس احادیث منقول ہیں اور ان سے زیادہ صرف تین اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، اور انس بن مالک۔ رضی اللہ عنہم کو کثرت روایات میں فضیلت حاصل ہے۔ حضرت عائشہ کی مرویات صحیح بخاری میں دو سو اٹھائیس اور صحیح مسلم میں دو سو تینتیس ہیں اور ان میں سے ایک سو چوہتر دونوں میں مشترک ہونے کے سبب متفق علیہ کہلاتی ہیں جب کہ چون حدیثیں بخاری میں اور اڑسٹھ روایتیں صحیح مسلم میں منفرد ہیں، صحیحین کی کل احادیث عائشہ صدیقہ دو سو چھیاسی ہیں اور بقیہ مرویات ام المومنین حدیث کے دوسرے مجموعوں کی زینت ہیں۔[۳۱] بقیہ ازواج مطہرات کی مرویات کی تعداد یقیناً بہت کم ہے اور ابھی تک میری نظر سے ان کی مرویات کی کوئی تجزیاتی بحث نہیں گذری ہے اس لئے صحیح تعداد اور تناسب روایت کا جائزہ پیش کرنا سر دست مشکل ہے۔ اور فی الحال وہ ہمارا موضوع بحث بھی نہیں ہے۔ ہم کو تو

سنت و فقہ کے میدان میں ان کی خدمات جلیلہ کا مختصر تجزیہ پیش کرنا ہے۔

ہماری اوپر کی بحث میں مکانات نبوی کے حوالہ و تعلق سے سنت و فقہ کے میدان میں ازواج مطہرات کی خدمات کا ایک جائزہ پیش کیا جا چکا ہے اس میں نزول قرآن مجید، تلاوت و قرأت کلام الٰہی، نزول جبریل علیہ السلام اور تنزیل وحی غیر متلو، اسلام کے ارکان اربعہ، نماز روزہ، صدقہ زکوٰۃ، حج وغیرہ سے متعلق روایات ازواج مطہرات شامل ہیں۔ ان میں ظاہر ہے کہ سنت نبوی اور حدیث رسول سے متعلق ساری روایات ہیں۔

جب کہ فقہ سے متعلق کئی مسائل کا ذکر ان میں آیا ہے لیکن چونکہ ان تمام روایات و احادیث کا ذکر خالص مکانات نبوی کے تعلق سے تھا اس لئے ازواج مطہرات کی بہت سی روایات کو وہاں نظر انداز کرنا پڑا۔ اس ذیلی عنوان کے تحت اب ان روایات کا مختصر سا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے جو امہات المومنین سے مروی ہیں اور ظاہر ہے جن میں سنت نبوی کی کوئی نہ کوئی زیت و روایت اور فقہ اسلامی کا کوئی نہ کوئی مسئلہ و نکتہ پنہاں ہے۔

طہارت جسمانی اسلام میں بجائے خود بھی مقصود ہے اور ارکان اسلام کی حسن ادائیگی کے لئے بھی محمود ہے۔ ازواج مطہرات میں سے کئی سے اس باب پاکیزگی میں متعدد روایات مروی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہر چیز میں داہنے ہاتھ سے کام کرنا (تیمن) پسند خاطر تھا چنانچہ جوتے پہننے، کنگھی کرنے اور وضو کرنے میں بھی آپ اس کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت، جنابت سے ناپاک ہونے والے کپڑوں کے دھونے، غسل نبوی کے لئے پانی کی مقدار اور کیفیت غسل اور پانی کا برتن، عورت کے استحاضہ کے مختلف مسائل

طہارت کے بعد خوشبو لگانے اور تیمم وغیرہ کے بارے میں متعدد احادیث نبویہ نقل کی ہیں اور ان سے مستنبط فقہی مسائل بیان کئے ہیں۔ اس باب میں حضرت میمونہ سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے ان کے پاس بازو (کتف) کا گوشت کھایا اور پھر نماز پڑھی اور اس کے لئے (تازہ) وضو نہیں کیا مگر امام ترمذی نے حضرت ام حبیبہ سے اس باب میں ایک حدیث کا مروی ہونا بتایا ہے جس کے مطابق آگ سے پکی چیزوں کے کھانے کے بعد وضو کرنا ضروری ہو جاتا ہے ـــــ اسی طرح مرد کے عضو تناسل کے چھونے کے بعد وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام ترمذی نے امام ابو زرعہ سے ان کے مسلک کی تائید بھی نقل کی ہے۔ یہی روایات ابن ماجہ کی بھی ہے۔ ان سے ایک مسئلہ یہ بھی مروی ہے کہ اگر گھی (سمن) میں چوہیا گر جائے تو قرب و جوار کا گھی نکال کر پھینک دیا جائے اور باقی بلا کراہیت استعمال کر لیا جائے۔ حضرت میمونہ نے غسل جنابت نبوی کے بارے میں وہی حدیث بیان کی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ اسی طرح ان سے یہ بھی مروی ہے کہ بحالت حیض وہ آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھیں اور آپ نماز پڑھتے ہوتے تھے اور آپ کا کپڑا ان کے جسم کو لگتا رہتا تھا۔ اسی طرح عائشہ اور حضرت میمونہ کی مانند حضرت ام سلمہ سے بھی یہ مروی ہے کہ بحالت حیض وہ آپ کے ساتھ ایک خمیلہ/خمیصہ (چادر) میں استراحت فرماتی تھیں اور آپ مباشرت رکھتے تھے۔ ترمذی نے حضرت ام حبیبہ کے بارے میں کہا ہے کہ ان سے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کی سنت کے بارے میں ایک حدیث نقل ہوئی ہے۔

جس طرح حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ کے سامنے وہ لیٹی ہوتی تھیں اور نماز پڑھا کرتے تھے جیسا کہ اوپر ایک حدیث میمونہ میں ذکر آیا ہے اسی طرح بعض دوسری ازواج سے احادیث مروی ہیں۔ حضرت حفصہ سے منقول ہے کہ جب موذن صبح کی اذان دے لیتا اور صبح ہو جاتی تو آپ دو

ہی پڑھتے اور پھر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے نماز نبوی اس کی کیفیت ارکوع و سجود میں تسبیح وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ام حبیبہ سے مروی ہے کہ آپ جس رات دن ان کے پاس ہوتے اور مؤذن کی اذان سنتے تو اسی طرح کلمات اذان دہرایا کرتے تھے۔ جب کہ بخاری وغیرہ میں حضرت ام سلمہ سے منقول ہے کہ نماز فرض کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اتنی دیر تک ٹھہرے رہتے اور آپ کے ساتھ مرد نمازی بھی ٹھہرے رہتے کہ نمازی عورتیں مسجد سے بہ فراغت چلی جائیں مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ام حبیبہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے رات دن میں بارہ رکعتیں (سنت کی) پڑھیں ان کے سبب اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ سے ان رکعتوں کی پوری تفصیل یوں نقل کی ہے۔ نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر میں فرض سے قبل چار اور بعد میں دو، مغرب میں فرض کے بعد دو اور عشا میں فرض کے بعد دو رکعتیں۔ ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ میں حضرت ام حبیبہ سے ان سنتوں کے بارے میں اور بھی احادیث مذکور ہیں۔ ترمذی میں ان کی یہ حدیث بھی ہے کہ نماز جنازہ میں تین صفیں بنانے سے میت کی مغفرت کی ضمانت ہو جاتی ہے۔

اسلام کے دوسرے رکن روزہ کے بارے میں بھی ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ سے کئی روایات نبوی اور مسائل فقہی منقول ہیں۔ حضرت عائشہ نے معمول نبوی یہ بیان کیا ہے کہ آپ روزہ رکھتے تو ایسا لگتا کہ افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے تو لگتا کہ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ ان سے مروی ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کا حکم آپ نے دیا ہے اور ایک فقہی مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس پر روزہ فرض ہوں تو اس کا ولی روزہ رکھے۔ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ

دونوں سے مروی ہے کہ حالت جنابت میں آپ روزہ رکھ لیتے اور صبح غسل جنابت کرتے۔ اسی طرح دونوں امہات المومنین سے بھی یہ مروی ہے کہ آپ بحالت روزہ تقبیل کرتے اور مباشرت (بلا وطی) فرماتے اور اسی بنا پر دونوں کی رخصت ہے۔ حضرت عائشہ نے ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نبوی اور مخصوص دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت نبوی کی الگ الگ حدیثیں بیان کی ہیں۔ حضرت جویریہ سے مروی حدیث نبوی گذر چکی ہے کہ آپ نے صرف جمعہ کا روزہ رکھنے سے منع کیا اور اسی سے مخصوص دنوں میں روزہ رکھنے کی کراہت آئی ہے۔ جب کہ حضرت عائشہ سے عاشورا کے روزے کی تفسیر و تشریح مروی ہے۔ اور انہیں سے نماز تراویح اور آخری عشرہ رمضان میں اعتکاف نبوی کی روایات اور فقہی مسائل منقول ہیں۔ حضرت صفیہ سے بھی ایک اعتکاف نبوی اور اس سے متعلق بعض مسئلے بیان ہوئے ہیں [22]

وجوب و فضائل زکوٰۃ کے باب میں کئی روایات ازواج مطہرات سے منقول ہیں۔ حضرت عائشہ کی سند پر ایک عورت اور اس کی دو بیٹیوں کو ایک عدد کھجور اور ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والی زوجہ مطہرہ کے بارے میں احادیث و روایات کا پہلے ہی ذکر آچکا ہے۔ حضرت عائشہ سے ایک حدیث یہ مروی ہے کہ بیوی اگر اپنے شوہر کے مال سے خرچ کرے یا صدقہ کرے تو دونوں میاں بیوی کو اس کا اجر ملتا ہے۔ حضرت ام سلمہ کی اس حدیث کا بھی ذکر آچکا ہے کہ وہ اپنے مرحوم شوہر کی اولاد پر جو خرچ کرتی تھیں اس کا اجر بطور صدقہ ان کو ملا کرتا تھا اور اسی سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ اولاد پر خرچ کرنے کا ثواب والدین کو ملتا ہے اور وہ ان کے حق میں صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔ اس کی تائید میں اور احادیث بھی ملتی ہیں۔ روزہ کے بارے میں بعض اور روایات اور مسائل ازواج مطہرات میں سے کئی سے منقول ہیں [23]

حج و عمرہ کے بارے میں ازواج مطہرات سے متعدد احادیث نبوی اور

مختلف مسائل فقہی منقول ہیں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ چونکہ تمام ازواج مطہرات آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک سعادت تھیں اس لئے انہوں نے بہت سی احادیث و مسائل درباب حج و عمرہ بیان کئے ہیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ غسل کرنے کے بعد آپ کے احرام میں انہوں نے اپنے ہاتھ سے خوشبو لگائی تھی انہوں نے حج کے لئے آپ کی روانگی اور ہدی (قربانی) لے جانے کا ذکر کر کے ایک اہم فقہی مسئلہ بیان کیا ہے۔ حضرت حفصہ کی روایت ہے کہ لوگ عمرہ کر کے حلال ہو گئے تھے اور انہوں نے حج کے لئے بعد میں دوسرا احرام باندھا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی لے جانے کے سبب اسی احرام سے عمرہ و حج دونوں کیا تھا۔ حضرت عائشہ نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ پر اختلاف و استدراک کیا تھا کہ ہدی بھیجنے والے اور حج نہ کرنے والے پر احرام کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حج میں آپ کی سنت یہ تھی کہ طواف سے ابتدا کرتے تھے۔ اور حضرت سودہ کی روایت پر انہیں کا بیان ہے کہ عورتوں کو آپ نے رمی جمار (کنکریاں مارنے) کی اجازت مردوں سے پہلے دی تھی اور حضرت سودہ اسی بنا پر پہلے روانہ ہو گئی تھیں۔ نسائی میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اندھیرے ہی میں مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے باب میں حضرت ام سلمہ کی یہ روایت کافی مشہور ہے کہ صلح ہو جانے کے بعد ان ہی کے مشورہ پر آپ نے اپنی ہدی کی قربانی کی تھی اور مسلمانوں نے بھی آپ کی اتباع میں کی تھی حالانکہ اس سے پہلے یہی مسلمان تھے جنہوں نے اپنے غم و غصہ کے سبب آپ کے حکم کو ان سنا کر دیا تھا۔

[۴۴] حج و عمرہ سے متعلق بعض دوسری روایات کو بنظر اختصار نظر انداز کیا جاتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے حدیث اور فقہ و قیاس کی ذیلی سرخیوں

کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مہارت حدیث اور فقاہت سے متعلق کئی روایات نقل کی ہیں[۴۵] ان میں سے بعض کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی بعض مرویات اور فقہی اقوال و افکار کا ذکر علامہ موصوف سے مستعار لے کر اس باب کو مکمل کیا جاتا ہے۔ جہاں اور جس مسئلہ میں کسی دوسری ام المومنین سے کوئی حدیث یا فقہی روایت بآسانی مل گئی ہے اس کو بھی بعد میں نقل کر دیا گیا ہے۔ اور نہ ملنے کی صورت میں سکوت اختیار کیا گیا ہے

ام المومنین حضرت عائشہ کا مسلک تھا کہ مردہ کو غسل دینے اور جنازہ اٹھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ غسل جنابت میں عورت کو اپنے بال/چوٹی کھولنا ضروری نہیں ہے اور ملاقات مرد و زن میں محض التقاء سے غسل جنابت واجب ہو جاتا ہے عورت کی میت کے بال نہیں سنوارنے چاہئیں۔ اوقات نماز کے بارے میں ان کا مسلک یہ تھا کہ نماز فجر اندھیرے (غلس) میں پڑھنی چاہئے، عصر کی نماز سورج بلند ہونے کے وقت، نماز مغرب سورج غروب ہونے کے فوراً بعد پڑھنی چاہئے اور افطار بھی جلدی کرنا چاہئے۔ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد بھی کھانا جائز ہے۔ عورت دوران حج زعفرانی (رنگین) کپڑے پہن سکتی ہے۔ سر کے کسی طرف سے تھوڑے سے بال ترشوا دینے سے حلق ہو جاتا ہے۔ بیوہ حاملہ کی مدت عدت وضع حمل ہے۔ حضرت عائشہ کا یہ منفرد مسلک ہے کہ اگر بالغ مرد کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے جب کہ تمام دوسری ازواج مطہرات کا مسلک ہے کہ نہ حرمت اور نہ رضاعت اس سے ثابت ہوتی ہے اس کے لئے انہوں نے بچپن میں رضاعت کی مدت قرآنی کے دوران دودھ پینا ضروری سمجھا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو حضرت علی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس باب میں حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ سے مروی ہے کہ جو چیزیں نسب سے حرام ہوتی ہیں اللہ نے ان کو رضاعت سے بھی حرام کر دیا ہے۔ امام داؤد ظاہری کے سوا اور تمام جمہور فقہا اور جمہور صحابہ کرام کا مسلک بھی یہی تھا اور

انہوں نے اس باب میں حضرت عائشہ کا مسلک نہیں قبول کیا۔ طلاق کے متعدد مسائل حضرت عائشہ صدیقہ سے منقول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور وہ اسے واپس کرکے شوہر کو پسند کرلے تو طلاق نہ ہوگی۔ ان کے نزدیک طلاق کی مدت تین طہر (قروء) ہے جب کہ دوسرے صحابہ کرام نے اس سے مراد حیض لیا ہے۔ ان کے زور زبردستی سے طلاق نہیں واقع ہوتی اور نہ غلام آزاد ہوتا ہے۔ اسی طرح تین طلاقیں پانے والی عورت کو اپنے شوہر کے گھر ہی میں عدت گزارنی چاہئے۔ حضرت ابوہریرہ کے سلسلہ میں ان کی مشہور حدیث ہے کہ ولاء کا حق اسی کو حاصل ہے جو آزاد کرے یا اس کا آخری مالک ہو۔ علامہ موصوف نے حضرت عائشہ صدیقہ سے بعض اور روایات حدیث اور مسائل فقہ نقل کئے ہیں ان کو وہیں دیکھ لینا چاہئے۔ ہم نے اختصار کی بنا پر ان کو یہاں چھوڑ دیا ہے۔ بعض دوسری ازواج مطہرات سے جو مختلف مسائل و روایات منقول ہیں ان کا ایک مختصر تجزیہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے کتاب العلم میں حضرت عائشہ صدیقہ سے متعدد روایات نقل کرنے کے علاوہ بعض دوسری ازواج سے بھی روایات لی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ام سلمہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے تو فرمایا، سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنوں کا نزول ہوا ہے اور کتنے خزانے کھول دیئے گئے ہیں۔ تمام حجرے والیوں (صواحب الحجر) کو جگادو اور (سب کو بتادو) کہ دنیا میں کتنے کپڑے پہننے والیاں آخرت میں بے لباس ہوں گی۔ انہیں سے ایک دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ حضرت ام سلیم خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ! بلاشبہ اللہ حق سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر احتلام آنے کے بعد غسل واجب ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر وہ پانی دیکھے۔ حضرت ام سلمہ کو حجاب آیا تو انہوں نے چہرہ چھپالیا اور

پوچھا، یارسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام آتا ہے؟ فرمایا، خدا تم سے سمجھے عورت کا بچہ (ولد) اس سے پھر کیوں کر مشابہ ہوتا ہے۔ اسی طرح امام موصوف نے کتاب بدء الخلق میں حضرت عائشہ سے متعدد روایات نقل کی ہیں ان میں سے بادل کو دیکھ کر آپ کے خوفزدہ ہونے، جبرئیل علیہ السلام سے رویت اور باری تعالیٰ کی عدم رویت سے متعلق روایات کا ذکر اوپر کسی اور عنوان سے آچکا ہے۔ انہیں سے آپ پر سحر کئے جانے، دو معاملوں میں آسان تر اختیار کرنے، بادلوں میں فرشتوں کے اترنے اور شیاطین کے خبریں چوری کرنے، بخار اور طاعون کے بارے میں ہدایات نبوی وغیرہ کی روایات بھی منقول ہیں۔ حضرت زینب بنت جحش سے ایک روایت یاجوج ماجوج کے خروج کے بارے میں نقل ہوئی ہے جو بہت ہی اہم روایت ہے۔ فضائل صحابہ کے باب میں جہاں حضرت عائشہ سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، حضرات زید و اسامہ وغیرہ کے بارے میں روایات مذکور ہیں وہاں حضرت حفصہ سے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں یہ حدیث نبوی مذکور ہے کہ عبداللہ نیک آدمی ہیں (رجل صالح)۔ کتاب المظالم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دو مسلمانوں کے جھگڑے اور اس کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اہم فیصلے کے بارے میں ایک عمدہ روایت نقل کی گئی ہے۔ حدیث کی دوسری کتابوں بالخصوص صحاح خمسہ میں امہات المومنین سے اور بہت سی روایات منقول ہیں جن سے سنت و فقہ کے میدانوں میں ان کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً ترمذی میں حضرت ام حبیبہ کی ایک روایت یہ آئی ہے کہ جس قافلہ سفر میں کوئی کتا یا گھنٹی (کلب / جرس) ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں شریک ہوتے۔ ان سے ایک اور اہم روایت یہ منقول ہے ہر انسان کا ہر کلام اس کے لئے وبال جان یا باعث عذاب ہے سوائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے جو اس کے لئے سرمایہ

اجر و ثواب ہے۔ [۵۲]

علامہ سید سلیمان ندوی نے علم کلام و عقائد، علم اسرار الدین، تعلیم و افتاء اور ارشاد وغیرہ جیسے موضوعات و عنوانات کے تحت جو عمدہ اور محققانہ مباحث لکھے ہیں وہ دراصل کتاب الٰہی اور سنت نبوی ہی سے ماخوذ و مستفاد اور انہیں پر مبنی ہیں کہ اصل علوم تو یہی دو ہیں اور باقی پھر ان کے مدد و معاون علوم و فنون جو انہیں سے نکلے ہیں بعد میں اپنی اپنی جگہ آزاد و مختار علوم و فنون بنے یہی وجہ ہے کہ ان علوم مذکورہ بالا کے تحت جو مباحث لائے گئے ہیں وہ قرآن کی آیات اور ان کی تفاسیر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور ان کی تشریحات ہی پر مبنی ہیں اور اسی بنا پر ان میں تکرار بھی پائی جاتی ہے کہ کچھ روایات و آیات پہلے کسی اور عنوان کے تحت زیر بحث لائی جا چکی ہیں۔ ان میادین علم و فضل میں حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمات جلیلہ کے لئے علامہ موصوف کے انہیں ابواب و فصول کا مطالعہ کافی ہوگا اور یہاں ان کا دہرانا تحصیل حاصل کے علاوہ طول کلام اور اطناب بیجا کا باعث ہوگا۔ البتہ بعض دوسری ازواج مطہرات کے ضمن میں چند اشارے کرنا ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے علم و فضل اور فقاہت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ وہ تمام ازواج مطہرات میں افضل تھیں۔ اور ان کے اعلیٰ پایۂ علم و فضل اور بلند ترین معیار فقاہت کو وہ تو درکنار، چند اکابر صحابہ کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچتا تاہم یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعی غلط ہوگا کہ باقی ازواج مطہرات اس شرف سے قطعی کوری یا علم و فضل سے نابلد تھیں۔ ان کی قلت روایات سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے لیکن جس طرح کثرت روایات فقاہت اور علم و فضل کے تفوق کی ضمانت نہیں فراہم کرتی اسی طرح قلت روایات بھی عدم علم یا قلت فقہ

و عدم فہم پر دلالت نہیں کرتی۔ ورنہ متعدد اکابر صحابہ کرام بھی اسی زمرہ میں شمار کئے جائیں گے کیونکہ ان سے بہت کم روایات مروی ہیں حالانکہ ان کے علم و فضل اور فقاہت سے کسی کو تاب انکار نہیں ہو سکتا۔ ازواج مطہرات میں ام سلمہ کو دوسرے درجہ میں علم و فضل کے لحاظ سے رکھا جاتا ہے اور ان کی روایات ان کے مرتبۂ علمی کی شہادت فراہم کرتی ہیں۔ اسی طرح حضرت حفصہ کی مرویات حدیث کی تعداد خاصی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ حضرت میمونہ کی روایات بھی کچھ کم نہیں۔ اس عامل کے بغیر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ازواج مطہرات میں سے بیشتر کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل اور فقہ و تدبر سے نوازا تھا اگرچہ ان کا درجہ فروتر تھا۔

اجتماعی طور سے تمام ازواج مطہرات کی فقاہت کا غالباً سب سے بڑا ثبوت رضاعت کے مسئلہ پر ان کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے اختلاف ہے۔ ان کا موقف کہ رضاعت مدت رضاعت کے دوران دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے احادیث کے مجموعی ذخیرہ اور کلام الٰہی کی تمام آیات سے مستند و مبنی ہے۔ اور اسی بنا پر جمہور بلکہ تقریباً تمام علماء کرام اور صحابہ کرام نے اسی موقف کو اختیار کیا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے علم و فضل و تفقہ کے باوجود ان کا مسلک نہیں قبول کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں حضرت عائشہ پر ان کو یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی سورہ بقرہ آیت ۲۲۸ میں لفظ قروء سے مراد حضرت عائشہ کے نزدیک طہر ہے جب کہ دیگر صحابہ کے نزدیک جن میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں اس سے مراد حیض ہے اور متعدد روایات حدیث اسی کی تائید کرتی ہیں اور علمائے مدینہ کے علاوہ علمائے عراق وغیرہ کا مسلک اسی کے مطابق اور متفق ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ زیور میں زکوٰۃ کے وجوب کی قائل نہ تھیں لیکن دیگر صحابہ کرام بشمول ازواج مطہرات اس کے وجوب کے قائل ہیں اور احادیث بھی اسی کی تائید کرتی ہیں جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا مسلک قیاس پر زیادہ مبنی ہے۔ یہی معاملہ یتیم و نابالغ کے مال کی زکوٰۃ

کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ بیشتر صحابہ کرام اور علمائے عظام اسکے مال پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے قائل نہیں کہ وہ مکلفِ احکام نہیں جبکہ حضرت عائشہ وجوب کی قائل ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معاصرین کے بعض اور اختلافات ہیں اور یہ صحیح ہے کہ اکثر میں ام المؤمنین کو فضیلت حاصل ہے لیکن مذکورہ مسائل کے علاوہ بعض اور مسائل و امور میں ان کے دوسرے معاصرین اور امہات المؤمنین کے مسلک کو برتری حاصل ہے[۳۸]

قرآن مجید کی سورۂ احزاب کی آیت کریمہ ۳۳ میں ازواجِ مطہرات کو یہ حکم الٰہی دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں اقامت گزیں رہیں اور جاہلی زیب و زینت سے پرہیز کریں۔ بعض ازواجِ مطہرات نے اس فرمانِ الٰہی کا مفہوم یہ نکالا اور اس پر اتنی سختی سے عمل کیا کہ وفاتِ نبوی کے بعد انہوں نے حج و عمرہ کے لئے سفر کرنا بھی ترک کر دیا۔ یہ دو تھیں حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت زینب بنت جحش اور انہوں نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیں کوئی سواری حرکت نہیں دے سکتی۔ بقیہ ازواجِ مطہرات حج و عمرہ کے لئے برابر جاتی رہی تھیں[۳۹]۔ حضرت سودہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے حج و عمرہ دونوں ادا کر لئے۔ اب اپنے گھر میں اسی طرح مقیم رہوں گی جس طرح میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ انکی فہم و فراست، دینی بصیرت اور محبتِ نبوی کا ثبوت ان کا وہ ایثار ہے جو انہوں نے حضرت عائشہ کو اپنی باری ہبہ کر کے کیا تھا۔ اسی طرح مزدلفہ سے جلد روانگی اور مردوں سے پہلے رمی جمار کرنے کی اجازتِ نبوی حاصل کرنے کی ان کی درخواست بھی ان کی دینی بصیرت کا ثبوت فراہم کرتی ہے اور آیاتِ حجاب کے نزول کے بعد ضرورت سے گھر سے باہر نکلنے کی ان کی طلب اجازتِ نبوی ان کے فہم و تدبر کی طرف اشارہ کرتی ہے[۴۰]۔ حضرت زینب بنت جحش کی فہم و فراست کا اندازہ آپ سے ان کی ساتویں آسمان پر شادی ہونے کے واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان کی مختصر زندگی کے بعض اور

واقعات بھی ان کی دینی بصیرت، فہم قرآن اور دنیاوی سوجھ بوجھ کا ثبوت فراہم کرتے ہیں[۴۱]۔ اگرچہ ان کے بارے میں ہماری معلومات خاصی ناقص ہیں۔ ان کے اور حضرت ام سلمہ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ تبصرہ کہ میرے بعد وہی دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں ان کی غیر معمولی صلاحیتوں اور لیاقتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ کو جسمانی حسن و جمال اور ظاہری خوبیوں سے زیادہ دین پسندیدہ و محبوب تھا اور اسی بنا پر آپ نے مسلمانوں کو شادی و نکاح کے لئے دیندار عورت کو ترجیح دینے کا حکم دیا تھا اور آپ اپنے حکم کی خود خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے[۴۲]

حضرت ام سلمہ کے علم و فضل کے عام اعتراف کے علاوہ ان کی مرویات بھی ان کی فقاہت و فراست کا وافر ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی مانند وہ بھی اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیا کرتی تھیں اور ان کے ذریعہ دین اور مغزِ سخن کو پا لیا کرتی تھیں۔ ان کی ایک حدیث جو نمازِ عصر کے بعد نفل پڑھنے سے متعلق ہے ان کی فقاہت کو نمایاں کرتی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے باوجود جب خود آپ کو نمازِ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو سوال کر لیا اور ان کے سوال سے امتِ مسلمہ کو اس قسم کی تمام احادیث و سنن کا سرِ پوشیدہ سمجھ میں آ گیا[۴۳]۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی مانند حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ نے بھی صلوٰۃ وسطیٰ سے نمازِ عصر مراد لی تھی اور اس مراد کو اپنے لئے لکھوائے گئے خاص مصحف میں لکھوا بھی لیا تھا۔ اس واقعہ سے ان کی تلاوت و قرأتِ قرآن کے علاوہ ان کی کتابت و تدوینِ قرآن کی کوشش اور فہمِ قرآن کے معیار کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مسائل میں سوالات کئے تھے جو خاص طور سے عورتوں سے متعلق تھے اور ان معاملات میں۔ جہاد، حج، ہجرت، وغیرہ کے بارے میں انہی کے سوالات کی بنا پر قرآن کریم کی آیات کا نزول ہوا تھا۔

ان سے قرآن مجید کی بعض آیات کریمہ کی شاذ قراءتیں بھی منقول ہیں۔ وضو اور غسل جنابت، روزہ میں تقبیل، بحالت حیض اہلیہ سے مباشرت، احتلام زن وغیرہ جیسے اہم مسائل میں حضرت ام سلمہ کی روایات ان کے علمی فضل و تفوق کا اظہار کرتی ہیں۔ اسی طرح مصحف قرآنی کی تدوین اور خاص کر مصحف امام کی حفاظت و تحویل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی فہم قرآنی اور فراست دینی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ان کے علاوہ ان کی بعض اور مرویات بھی ہیں جو ان کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ حضرت ام حبیبہ کی وہ روایات جو اوپر رضاعت، آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو، مسواک وغیرہ کے بارے میں ہیں ان کے علم و فضل پر دال ہیں اسی طرح حضرت میمونہ، حضرت صفیہ وغیرہ کی مذکورہ بالا روایات بھی ان کی فقاہت اور علم و فضل پر دلالت کرتی ہیں ۳۳ے

اس بحث سے یہ قطعی ثابت کرنا مقصود نہیں ہے کہ تمام ازواج مطہرات حضرت عائشہ صدیقہ کی مانند علم و فضل کی حامل یا فہم و فراست سے فیضیاب اور فقاہت و بصیرت کی مالک تھیں۔ وہ یقیناً ان سے کمتر تھیں اور روایات و واقعات سے جو بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت صدیقہ کے بعد ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہ کا مقام و مرتبہ تھا۔ ان کے بعد حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت میمونہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ، حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ وغیرہ کا مرتبہ و منصب آتا ہے۔ اگرچہ معلومات کی فراہمی کی قلت اور ہماری اپنی کوتاہیوں کے سبب دوسری ازواج مطہرات کے بارے میں مرویات حدیث و کتاب ذکر نہیں کی جا سکیں اس لئے ان کی علمی درجہ بندی نہیں کی جا سکتی اور یہ ہمارا مقصود بھی نہیں ہے۔ ہمارا اصل مطمح نظر تو یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی دینی اور علمی خدمات کا تجزیہ کریں اور اب تک کی بحث سے جو حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام ازواج مطہرات نے بلا استثنا دین و علم کی خدمت، کتاب و سنت کی اشاعت اور اسلام و مذہب کی اعانت

اپنے اپنے بساط بھر اور صحبت نبوی سے اپنے اپنے استفادہ کے بقدر کی تھی۔ کسی نے بہت زیادہ، کسی نے اس سے کم اور کسی نے تھوڑی سی۔

حواشی

۱ے سید سلیمان ندوی، سیرت عائشہ، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء، نے فضل و کمال اور علم و اجتہاد کے عنوانات سے حضرت عائشہ کی علمی خدمات کا تجزیہ مذکورہ بالا ذیلی عناوین کے تحت کیا ہے اور وہ ص ۱۴۳ سے ص ۱۸۲ تک محیط ہے۔

حضرت سید صاحب کی تحقیقات چونکہ عام طور سے دستیاب ہیں اس لئے ان سے اس مضمون میں صرف نظر کر کے زیادہ تر وہ پہلو پیش کئے گئے جن سے انہوں نے تعرض نہیں فرمایا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ان سے استفادہ کرنے کے علاوہ ان کی بعض تحقیقات کے بعض تشنہ پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲ے بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳ے ملاحظہ ہو اوپر کا متعلقہ حوالہ زرکشی

۴ے بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نیز سیوطی، اتقان، اردو ترجمہ اول ص ۴۳ نے فائدہ چہارم کے تحت یہی روایت ابن سعد کے حوالہ سے نقل کی ہے جس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جس وقت وحی اترتی تھی تو آپ کا سر جھک جاتا تھا اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا اور آنت نکلنے لگتے اور اس قدر پسینہ آ جاتا تھا کہ قطرے موتیوں کے دانوں کی طرح ٹپکتے۔

۵ے ایضاً، بخاری کتاب بدء الخلق، باب و قال رجل مومن من آل فرعون ... الخ

۶ے بخاری کتاب الشہادات، باب شہادۃ الاعمی نیز ملاحظہ ہو۔ ابوداؤد کتاب الحروف والقراءات

۷ے مالک ابن انس، موطا، الصلوٰۃ الوسطیٰ امام مالک کی یہ دونوں حدیثیں زید بن اسلم سے پہنچی تھیں۔ حضرت عائشہ والی روایت میں راوی اول نے قعقاع بن حکیم کے ذریعہ حضرت ابو یونس سے پائی تھی جبکہ حضرت حفصہ کے بارے میں راوی حضرت عمرو بن رافع ہے۔ مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ۔ باب الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الوسطیٰ ہی صلاۃ العصر، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت صلاۃ العصر، ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، ومن سورۃ البقرۃ۔

۸ے بخاری کتاب التفسیر باب تالیف القرآن

۹ے بخاری کتاب التفسیر باب البقرۃ۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ... الخ

۱۰ے بخاری کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ باب قولہ لقد جاءکم رسول من انفسکم ... الخ نے یہ روایت حضرت زید بن ثابت انصاری کی سند پر بیان کی

جہاں تک ان کے بڑھاپے اور خدمت سے معذوری کا معاملہ ہے ان کے بارے میں کئی روایات آتی ہیں۔ ابن سعد نے واقدی کی روایت عروہ بن زبیر کے واسطے سے حضرت عائشہ کی سند پر بیان کی ہے کہ حضرت سودہ کی عمر زیادہ ہوگئی تھی (قد اسنت) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ صحبت نہیں رکھتے تھے۔ (لا یستکثر منہا) اور وہ آپ سے میرا تعلق اور مجھ سے زیادہ صحبت کا معاملہ بھی خوب جانتی تھیں۔ ان کو اس بنا پر خوف ہوا کہ آپ ان کو چھوڑ دیں اور ان کو آپ کے نزدیک اپنے مقام کا اندازہ ہوا تو انہوں نے اپنی باری مجھ کو دے دی اور آپ نے اس کو قبول کر لیا۔

دوسری طرق کے واسطے سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے آپ کی رضا چاہنے کے سبب اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی تھی۔ نعمان بن ثابت تیمی کی مرسل روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے سودہ کو طلاق دے دی تو انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے مردوں کی اب کوئی چاہت نہیں لیکن میں آپ کی ازواج میں قیامت میں اٹھائے جانے کو پسند کرتی ہوں ومابی حب الرجال ... الخ، آپ نے رجوع کر لیا۔ ابن سعد نے اپنی سند سے مسلم بن ابراہیم، ہشام دستوائی اور قاسم بن ابی بزہ سے درجہ بدرجہ واقدی کی مذکورہ بالا روایت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت سودہ نے آپ سے جب یہ تیقن پایا کہ ان سے کسی نازیبا حرکت (الریبۃ) کے سبب آپ نے طلاق نہیں دی تھی تو آپ سے عرض کیا جس سے

ہے جو عہد نبوی میں کاتب وحی رہے تھے اور جنہوں نے اس کو مدون کیا تھا۔ حدیث مبارک کے متعلق الفاظ یہ ہیں: وکانت الصحف التی جمع فیہا القرآن عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حتی توفاہ اللہ ثم عند حفصۃ بنت عمر۔ امام بخاری نے اس حدیث کی پانچ اور متابعات بیان کی ہیں مگر یہ تصریح نہیں کی ہے کہ وہ خلیفہ دوم کے بعد حضرت حفصہ کے پاس کیوں اور کیسے پہنچا اور خلیفہ سوم کے پاس ان کے دونوں جانشینوں کی مانند کیوں نہ رہا۔

۱۲ علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت عائشہ ص ۱۸۰

۱۳ ایضاً ۱۸۱

۱۴ سیرت عائشہ ص ۲۱۵-۱۶۹

۱۵ سیرت عائشہ ص ۱۸۹، یہی بات بہ انداز مختلف اور بہ الفاظ دیگر دوسرے مؤلفین سیرت اور علماء کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں کہی ہے مثلاً مولانا محمد ادریس کاندھلوی: سیرۃ المصطفیٰ، دار الکتاب دیوبند ۱۹۸۳ء سوم ص ۲۹۳-۲۹۲، مولانا شبلی: سیرۃ النبی اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء دوم ص ۴۰۶، جبکہ ابن سعد ہشتم ص ۵۲-۵۱ وغیرہ قدیم ماخذ سے جو صورت حال معلوم ہوتی ہے وہ کافی مختلف ہے۔ امام زہری کی ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت سودہ سے رمضان ۱۰ نبوی میں شادی کی۔ حیرت ہے کہ تمام مورخین نے حضرت سودہ کی عمر کا کوئی اندراج تک نہیں دیا: ان کی پیدائش کا سنہ مذکور ہے نہ وفات کا اور نہ ہی شادی کے وقت کا۔

ہوگئی ہوں (قد کبرت) اور مجھ کو مردوں کی ضرورت نہیں ہے (ولا حاجۃ لی فی الرجال)۔ باقی حدیث مذکورہ بالا کی طرح ہے۔ ابن سعد کی محمد بن عمر واقدی کے واسطے سے عکرمہ سے جو روایت ہے اس میں طلاق کا ارادہ نبوی کا احساس ہونے پر حضرت سودہ نے عرض کیا تھا کہ مجھے شوہر لینے کی کوئی حرص نہیں ہے (ما بی علی الازواج حرص) جبکہ انہیں کی دوسری روایت جو ہشام بن عروہ کے ذریعہ ان کے والد ماجد سے مروی ہے حضرت سودہ کے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کرنے کا ذکر کرتی ہے مگر اس کا کوئی سبب نہیں بتاتی۔ ان تمام واقدی اور دوسری روایات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کر دی تھی ورنہ وہ نہ اتنی بوڑھی ہوگئی تھیں کہ وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے لائق نہ تھیں اور نہ اتنی ضعیف العمر و تن مندہ اور ان کے قویٰ میں اتنا انحطاط آ گیا تھا کہ وہ ہر طرح کی خدمت سے معذور ہوگئی ہوں۔ پھر یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتہام معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے بڑھاپے کے سبب ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا۔ آخر آپ نے اپنے سے پندرہ سال بڑی اور بوڑھی زوجہ کریمہ حضرت خدیجہ کے ساتھ جوانی کے دن پوری یکسوئی سے گزارے تھے۔ حضرت سودہ نے جو ایثار کیا تھا اس کو راویوں نے غلط سمجھا۔

۱۶ سیرت حضرت عائشہ ص ۱۸۸-۲

۱۷ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، باب ... تجرید بخاری، اول ص ۸۹-۸۸ آسانی کی غرض سے اور اختصار کی خاطر ترجمہ تجرید بخاری کے حوالے دیئے گئے ہیں تاکہ ابواب وغیرہ کی تفصیلات سے بچا جا سکے۔

۱۸ تجرید بخاری، اول ص ۹۶-۹۵ نیز مسلم کتاب الحیض، باب نسخ الوضوء مما مست النار و وجوب الغسل بالتقاء الختانین۔

۱۹ ترمذی، ابواب الطہارۃ، باب ما جاء فی الوضوء مما غیرت النار و باب الوضوء من مس الذکر؛ ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب الوضوء من مس الذکر؛ نسائی کتاب الطہارۃ، باب الوضوء مما غیرت النار۔

۲۰ تجرید بخاری، اول ص ۱۰۹-۹۰ کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض اور کتاب الصلوٰۃ کی روایات؛ ترمذی، ابواب الطہارۃ، باب ما جاء فی السواک۔

۲۱ تجرید بخاری اول ص ۱۳۰-۹۲ کتاب الصلوٰۃ؛ اول ص ۱۳۵ باب بدء الاذان ص ۱۹۳، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب فضل السنن الراتبۃ؛ ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب فی ثنتی عشرۃ رکعۃ من السنۃ؛ نسائی کتاب قیام اللیل وتطوع النہار باب ثواب من صلی فی الیوم واللیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ سوی المکتوبۃ؛ ترمذی ابواب الصلوٰۃ، باب فیمن صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ۔ اور بعض دوسرے متعلقہ ابواب خاص کر ابواب الجنائز باب کیف الصلوٰۃ علی المیت والشفاعۃ لہ؛ ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الاربع قبل الظہر و بعدہا، باب تفریع ابواب التطوع و رکعات السنۃ؛ ابن ماجہ کتاب الاذان والسنۃ فیہا باب ما یقال اذا اذن المؤذن

بقیہ ص ۵۶ پر

عبدالباری فلاحی، جامعہ ہمدرد

ہندوستان کے دینی مدارس میں نصابِ تعلیم کی تبدیلی

ضرورت اور طریقہ کار

تعلیم کی اہمیت ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے چنانچہ اسکی اشاعت اور ترویج کے لئے ہر دور میں کوششیں ہوتی رہیں اور اس کے لئے مختلف طریقے بھی اپنائے گئے۔ تعلیمی تحریک کی ابتدا مدینہ منورہ میں مسجدِ نبویؐ سے ہوئی اور تقریباً چار صدی تک درس و تدریس مسجدوں ہی میں ہوتی رہی۔ الحاکم بامر اللہ غالباً پہلا شخص تھا جس نے نظامِ تعلیم کو بہتر اور موثر بنانے کے لئے مسجد سے باہر ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ء) میں مصر میں مدرسہ قائم کیا۔ ابن خلکان کے مطابق مدرسہ نظامیہ بغداد پہلا مدرسہ تھا جس کی بنیاد نظام الملک طوسی (۴۰۸ھ / ۱۰۱۸ء تا ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء) نے ۴۵۷ھ میں رکھی۔

ہندوستان کے مسلم عہدِ حکومت میں اس عظیم الشان کارنامہ کو محمود غزنوی نے متھرا کی فتح سے واپس آنے کے بعد دارالسلطنت غزنی میں ۴۰۹ھ (۱۰۱۹ء) میں انجام دیا۔ محمود غزنوی کے بعد ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے اندر مدارس کو قائم کرنے کا عام مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ محمد تغلق (۱۳۲۵ تا ۱۳۵۱ء) کے زمانہ میں مصر اور ہندوستان میں آمد و رفت کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے اور اس وقت ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے جن میں ایک شوافع کا اور بقیہ احناف کے تھے[1] اورنگ زیب کے زمانے کے مشہور

[1] صبح الاعشیٰ، قلقشندی ج ۵ ص ۹۹ مصر

مغربی سیاح ہملٹن کے مطابق سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں مختلف علوم و فنون کے چار سو مدرسے قائم تھے[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی عہدِ حکومت میں علم و فن کی زیادہ قدر و قیمت تھی۔ اور سلاطین کی علم دوستی مدارس کے قیام کا سبب بنی۔

قدیم ہندوستانی نصابِ تعلیم

مدارس دینیہ میں جو نصابِ تعلیم رائج تھا اس میں مرورِ ایام کے ساتھ کئی انقلابات آئے اور یہ فطری امر تھا۔ بدلتے ہوئے حالات کی ایک اہم ضرورت تھی۔ ساتویں صدی ہجری میں جب مسلمان باضابطہ طور سے ہندوستان میں آباد ہوئے تو ان کی حالت پہلی صدی ہجری کے مسلمانوں سے قدرے مختلف تھی اور ان کا نصابِ تعلیم بہت حد تک بدل چکا تھا۔ عربی زبان عقلی علوم کی کتابوں سے معمور ہو چکی تھی۔ اس تبدیلی کو مندرجہ ذیل پانچ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا دور ——— اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے ہوتا ہے مسلمانوں نے اس ملک میں آ پہنچ کر جو طریقۂ تعلیم اپنایا اس میں پہلے بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھایا جاتا تھا اور قرآن کے بعد زمانہ کے دستور کے مطابق فارسی پڑھائی جاتی تھی مسلمانوں کو فارسی زبان سے کتنی دلچسپی تھی اس کا اندازہ طباطبائی کی درج ذیل عبارت سے لگایا جا سکتا ہے جس کو اس نے بنگال کے بازی گروں کا تذکرہ کرتے ہوئے سیر المتاخرین میں لکھا ہے۔

"کلیات سعدی شیرازی لاتے اور اسے تھیلے میں ڈالتے پھر جب اس کو نکالتے تو دیوان حافظ نکلتا، پھر تھیلے میں ہاتھ ڈالتے تو دیوان سلمان ساوجی نکلتا

[1] ہندوستان عالمگیر کے عہد میں۔ مرزا محمد اشرف بیگ

اسی طرح چند مرتبہ کتاب تھیلے میں ڈالتے اور نکالتے اور ہر مرتبہ ایک دوسری کتاب نکلتی۔

اس کے بعد باضابطہ عربی زبان میں اسلامی علوم کے سیکھنے کا مرحلہ پیش آتا تھا اور یہ دو منزلوں میں منقسم تھا ایک درجہ علم ضروری کا تھا اور دوسرا فضیلت کا تھا علم ضروری میں نحو اور فقہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں منطق اور فلسفہ کی کوئی کتاب شامل نصاب نہ تھی ان دونوں درجات میں تفسیر حدیث فقہ و اصول فقہ، نحو و صرف اور ادب و معانی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس زمانہ کے فقہا فقہ میں اور اصول فقہ کا زیادہ اثر نظر آتا تھا۔ چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے والی قوم غزنی اور غور سے آئی تھی اس لئے فقہی روایات کا پایہ بلند تھا۔

دوسرا دور ——— یہ دور نویں صدی ہجری کے آخر میں شروع ہوتا ہے جب کہ سکندر لودی ۱۴۸۹ء میں تخت نشین ہوا شاید یہ پہلا ہندی بادشاہ تھا جو خود دعوت بھیج کر علماء کو ہندوستان بلاتا۔ اس کے عہد میں تعلیمی انقلاب آیا اور معقولات کو نصاب میں شامل کیا گیا اس سے پہلے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ اس دور کے آخری مگر سب سے زیادہ نامور عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھے۔

تیسرا دور ——— اس کا آغاز مغلیہ حکومت کے قیام کے بعد ہوتا ہے۔ چونکہ دوسرے دور میں تبدیلی نصاب کی وجہ سے لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جب اکبر تخت پر متمکن ہوا تو اس کا دربار دینی اور عقلی قلابازیوں سے گزر کر فلسفہ اور حکمت کا دور بن گیا شاہ فتح اللہ شیرازی جب ایران سے ہندوستان آیا تو اس نے عقلیت

کی شراب گھر گھر میں پلائی۔ اکبر کے بعد مسلمان معقولیوں کا ہندوستان میں تانتا بندھ گیا اور مولویت کے لئے یہ معیار بن گیا کہ بغیر معقولات کی کتابوں کو پڑھے ہوئے کسی کو سند نہیں مل سکتی۔

چوتھا دور ——— یہ دور بارہویں صدی ہجری میں شروع ہوتا ہے اور آج جس نصاب کو نصاب نظامیہ کہا جاتا ہے اس کے بانی ملا نظام الدین سہالوی (متوفی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) تھے جن کا تعلیمی سلسلہ ملا فتح اللہ شیرازی پر ختم ہوتا ہے انہوں نے جو نصاب تعلیم مرتب کیا اس میں نہ تو کسی مضمون کا اضافہ کیا اور نہ ہی کسی نئی کتاب کا بلکہ مختلف مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جا رہی تھیں ان کو از سر نو مرتب کیا البتہ اس میں معقولات کی کثرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اوپر میر فتح اللہ کا غیر معمولی اثر تھا۔

ملا صاحب کے ہم عصر شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۲ء) نے جب یہ محسوس کیا کہ اس نصاب میں حدیث کا حصہ کمزور ہے تو انہوں نے اسکی اصلاح صحاح ستہ سے کی۔ اسی وقت سے درس نظامی میں دورۂ حدیث جاری ہو گیا۔ دوسری اصلاح عربی ادب کی شمولیت ہے چونکہ قرآن مجید اور مسلمانوں کے علمی کارنامے زیادہ تر عربی زبان میں ہیں اس لئے عربی ادب کے بغیر نہ تو قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی حدیث وغیرہ کو۔

پانچواں دور ——— یہ دور اسلامی تعلیم گاہوں کے زوال کا دور ہے اس کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب ہندوستان میں عہد اسلامی کا چراغ گل ہو رہا تھا اس دور میں جو نصاب تعلیم مرتب کیا گیا وہ دراصل پچھلے درس نظامی کی بگڑی ہوئی شکل تھی اور آج کل اکثر و بیشتر دینی مدارس میں یہی نصاب تعلیم رائج ہے

اس نصاب کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہر مضمون سے متعلق ضرورت سے زیادہ کتابیں داخلِ نصاب کر دی گئیں۔ اس میں تاریخ، جغرافیہ وغیرہ ضروری علوم و فنون نہیں ہیں۔

مختلف ادوار کی تفصیلات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نصاب کی تبدیلی ہر دور کی ایک ضرورت تھی اور بدلتے ہوئے حالات کا لازمی تقاضا۔ تعلیمی تحریک کے رہنما اور علوم اسلامیہ کے خادم اگر عہد بعہد کی تبدیلیوں کو محسوس نہ کرتے تو وہ اصل مقصد کے حصول میں ناکام رہتے۔ یہاں ایک اہم نکتہ واشگاف کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ مختلف ادوار میں مسلم حکومتوں نے مدارس عربیہ کے لئے جو نظام تعلیم مرتب کیا اس میں زیادہ تر دینی تعلیم کا جوڑ لگایا گیا کیونکہ فقہ اسلامی اس وقت ملک کا قانون تھی۔ فلسفہ، منطق، صرف و نحو اور ادب پر زیادہ زور دیا گیا جو کہ مقصود بالذات نہیں تھے اور قرآن و حدیث اور دین کی اسلامی تعلیمات پر کم توجہ دی گئی۔ اس کے علاوہ ایک ہی فن سے متعلق کئی کتابوں کو درس میں شامل کیا گیا۔ مثلاً منطق کی پندرہ کتابیں، تفسیر کی صرف دو کتابیں بیضاوی اور جلالین۔ لہٰذا ان کی افادیت اسی روز ختم ہو گئی جس روز انگریزی حکومت یہاں قائم ہوئی۔

مولانا مودودیؒ قدیم نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جہاں تک پرانے نظام تعلیم کا تعلق ہے وہ آج سے صدیوں پہلے کی بنیادوں پر قائم ہے جس وقت یہاں انگریزی حکومت آئی اور انقلاب برپا ہوا جس کی بدولت ہم غلام ہوئے اس وقت جو نظام تعلیم ہمارے ملک میں رائج تھا۔ وہ ہماری اس وقت کی ضروریات کے لئے کافی تھا اس نظام میں وہ ساری چیزیں پڑھائی جاتی تھیں جو اس وقت کے نظام

حکومت کو چلانے کے لئے درکار تھیں۔ اس میں صرف مذہبی تعلیم ہی نہیں تھی بلکہ اس میں فلسفہ بھی تھا اس میں ریاضی بھی تھی، اس میں ادب بھی تھا اور دوسری چیزیں بھی تھیں۔ اس زمانہ کی سول سروس کے لئے جس طرح کے علوم درکار تھے وہ سب طلبہ کو پڑھائے جاتے تھے۔ (تعلیمات ص۱۲)

نصاب کی تبدیلی اور حضورؐ کے ارشادات

نصاب تعلیم کی تبدیلی

صرف اس لئے ضروری نہیں ہے کہ یہ جدید دور کا تقاضا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ ہمارے رہبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علوم و فنون کو سیکھنے کی ہمت افزائی فرمائی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد جب سفراء کو دعوتِ اسلام سے متعلق خطوط دے کر ان کو مختلف مقامات پر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تب ان کو اس امر کی اہمیت بتائی روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صحابہ کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا۔

ان اللہ بعثنی رحمۃ للناس کافۃ فادوا عنی رحمکم اللہ ولا تختلفوا کما اختلف الحواریون علی عیسیٰ

اللہ نے مجھے تمام لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اس لئے میرے حکم کی تعمیل کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو جس طرح کہ عیسیٰ کے حواریوں نے عیسیٰ سے کیا تھا۔

صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کی نوعیت پوچھی آپ نے فرمایا جس طرح میں تم لوگوں کو حکم دے رہا ہوں اسی طرح سے حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو دیا تھا انہوں نے جن کو قریبی مقامات پر جانے کا حکم دیا تھا وہ بخوشی تیار ہو گئے اور جن کو دور دراز مقامات پر جانے کے

لئے کہا گیا تھا انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا پھر حضرت عیسیٰؑ نے اللہ سے شکایت کی اور اللہ نے لوگوں کی زبانوں کو کھول دیا۔ اگر میں تم لوگوں کو کسی کام کا حکم دوں تو کیا بخوشی قبول کروگے؟ صحابہ کرام نے فرمایا ہم لوگ تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ صحابہ کرام صبح ہوتے ہی زبان سے واقف ہوگئے۔ یہ صحابہ کرام کے سلسلے میں ایک معجزہ تھا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہان عجم نے ان سفیروں سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کی بلکہ ان کے لئے ترجمان کیوں مقرر کیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہان عجم خود گفتگو کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

آپ اس کو معجزہ سے تعبیر کریں یا نہ کریں اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب کی زبان میں گفتگو کرنی چاہیے۔ دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے لئے مختلف زبانوں سے واقفیت ضروری ہے۔

اجنبی زبانوں کو سیکھنے کے سلسلے میں امام زہری کی ایک روایت ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت انصاری سے کہا "میرے پاس بادشاہوں کے خطوط آتے ہیں میں نہیں چاہتا کہ کوئی غیر اس کو پڑھے کیا تم عبرانی یا سریانی زبان سیکھ سکتے ہو؟ حضرت زیدؓ نے کہا ہاں، اور انہوں نے ۱۷ دن میں یہ زبان سیکھ لی۔[1] حضرت زید کسریٰ کے ایلچی سے فارسی زبان سیکھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم سے رومی (یونانی) زبان سیکھی اور دوسرے خادم سے حبشی زبان قبطی (مصری) زبان حضور کی ایک خادمہ سے سیکھی۔[2] اسطرح حضرت زیدؓ نے نبی اکرم کی ہدایت کے مطابق ہمسایہ ملکوں کی اجنبی زبانیں سیکھ لیں۔

[1] ابن عبد البر، عقد الفرید

حضورؐ نے زبان کے علاوہ دیگر علوم کے حصول کی طرف بھی توجہ دلائی ہے مثلاً تقسیم ترکہ یعنی ریاضی، مبادی طب (مالک)، علم ہیئت (تعلموا من امر النجوم)، علم انساب (تعلموا من انسابکم ما یصلون بہ من الارحام لکم۔ مالک)

حضورؐ نے عملی کاموں کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے آپ کا ارشاد ہے "اے اولاد اسمٰعیل، تیر اندازی سیکھو تمہارے والد اسمٰعیل تیر انداز تھے۔ (ارموا یا بنی اسمٰعیل فان ابوکم رامیا) آپ نے تیراکی اور شہسواری سیکھنے کا بھی حکم دیا (علموا اولادکم الرمایۃ والسباحۃ ورکوب الخیل)

ماضی اور حال میں فرق

ماضی میں مسلمانوں نے دنیاوی علوم کو بڑے شوق اور دلچسپی سے حاصل کیا۔ عہد عالمگیری میں محمود خان بن رستم خان بدخشی نے حصول علم کی خاطر پرتگال کا سفر کیا اور وہاں ریاضی کی کتاب کا براہ راست لاطینی سے عربی میں ترجمہ کیا جو کہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ علامہ تفضل حسین کاشمیری سلطنت اودھ کی جانب سے کلکتہ میں سفیر تھے وہاں انہوں نے یورپ کی کئی زبانیں سیکھیں۔ حکیم اظہر علی خاں دہلوی نے مرض فیل پا پر انگریزی میں ایک معلوماتی مضمون قلم بند کیا کہ جرنل آف لندن میں ۱۷۹۲ء میں شائع ہوا اور اب تک جتنے مضامین اور مقالات کا علم ہوا ہے ان میں یہ کسی ہندوستانی مسلمان کا عظیم الشان مقالہ تھا۔ مسلمان مغربی علوم سے اس حد تک واقف ہوگئے تھے کہ وہ ان پر تنقیدیں کرنے لگے تھے۔ بعض ادارے مختلف زبانوں کے تراجم میں سرگرم تھے جن میں ایک

نام "جمیع الامور" کا آتا ہے جس کو سلطان ابو الفتح ٹیپو نے قائم کیا تھا اس میں بعض فرانسیسی اور ترک بھی مامور تھے۔ مرزا محمد نثار ترک نے یہاں کئی مغربی علوم کی کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا۔[1]

انگریز مصنفین اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمان انگریزی زبان اور مغربی علوم سیکھنے کے خواہشمند تھے اور جہاں ان کو سازگار حالات ملتے وہاں حاصل کرتے۔

آج صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ ماضی میں مدارس دینیہ کے فارغ التحصیل مختلف علوم و فنون کے ماہر ہوتے تھے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہندی مسلمانوں کے چند کارنامے بیان کئے گئے۔ آج ہمارے ملک میں دینی مدارس کا ایک جال بچھا ہوا ہے لیکن ہر مدرسہ کا نصاب تعلیم جداگانہ ہے۔ بعض مدارس مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں طلبہ کو وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن میں بانی مدرسہ کے مسلک اور فکر کا بیان ہوتا ہے بعض مدارس ایسے بھی ہیں جن میں ان مضامین پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جو مقصود بالذات نہیں ہوتے مثلاً نحو صرف۔ بعض مدارس ایسے بھی ہیں جن میں سائنسی مضامین کی تعلیم تو درکنار، انگریزی یا ہندی زبانوں کو داخلِ نصاب کرنا خلافِ اسلام سمجھا جاتا ہے اور بعض ایسے بھی جن میں موجودہ دور کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ کیا گیا اور ان میں طلبہ کو جدید علوم سے بھی آراستہ کرنے کا التزام کیا گیا ہے مثلاً جامعۃ الفلاح، جامعۃ الہدایہ (اس کی تفصیل ہندوستان ٹائمز کے سنڈے میگزین مورخہ ۵ جون ۱۹۹۴ء میں موجود ہے)۔

[1] اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں۔ از حکیم سید عبدالحئی لکھنوی

جن مدارس میں خالص دینی تعلیم دی جاتی ہے اور محض اس خیال سے وہاں مغربی علوم کو نصاب میں شامل نہیں کیا جاتا کہ فارغ ہونے والے طلبہ قوم و ملت کے لئے زیادہ سود مند نہیں ہوں گے ان کے بارے میں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج وہ مقصد بھی پورا نہیں ہو رہا ہے اگر ان کے پاس کچھ دینی معلومات ہوں تو بھی وہ طرزِ استدلال اور مخاطب کی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے افکار کو ختم نہیں کر سکتے۔ حصول مقصد میں ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ نصاب سازی کے وقت معاش کے مسئلہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جب کہ آج کی غیر اسلامی حکومت میں مسلمانوں کے سامنے بہت اہم مسئلہ ہے۔ چنانچہ جب دینی اداروں سے طلبہ فارغ ہوتے ہیں تو وہ حصول معاش اور تلاشِ رزق میں اس طرح سے حیران و سرگرداں نظر آتے ہیں کہ ان کا قرآن و حدیث کا علم دھیرے دھیرے محو ہو جاتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے گویا انہوں نے کچھ حاصل ہی نہ کیا ہو۔

دینی مدارس میں ایک شعبہ حفظ قرآن کا ہوتا ہے وہاں قیام و طعام اور دیگر سہولیات فراہم ہوتی ہیں لیکن دوران حفظ طلبہ کو دوسرے ضروری اور اہم مضامین سے دور رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ عمر کا ایک قیمتی حصہ گزر جاتا ہے اور وہ ہندوستان کی مروج زبانوں مثلاً ہندی اور انگریزی سے بالکل ہی ناواقف ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حفظ و تجوید کی تکمیل کے بعد وہ اس پوزیشن میں نہیں ہوتے ہیں کہ وہ کسی اچھے ادارے میں داخلہ لے کر مزید تعلیم حاصل کر سکیں۔ بس اس کی دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں یا تو ۱۵ - ۱۸ سال کی عمر میں ابتدائی درجات میں داخلہ لے کر آگے

نقطۂ نظر سے ہو فلسفہ ہو یا تاریخ، سیاسیات ہو یا معاشیات سائنس کے مضامین ہوں یا آرٹس کے۔

۳۔ قرآن اور حدیث کو بنیادی حیثیت دی جائے اور جو مضامین اس اساس کو مستحکم بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہوں ان کو نصاب میں مناسب جگہ دی جائے لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ مقصود بالذات بن جائیں اور ہر مضمون کیلئے ایک مختصر اور جامع کتاب منتخب کی جائے۔

۴۔ جس طرح سے عربی ادب کو ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے اسی طرح ہندوستان کے ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے ہندی اور انگریزی زبان کی بھی تعلیم دینی چاہئے اگر ہندی یا انگریزی ادب کی ایسی کتابیں بازار میں دستیاب نہ ہوں جو ہمارے معیار پر پوری اترتی ہوں تو اس فن کے ماہرین کو اس پر خصوصی توجہ دینی چاہئے اور ایسی کتاب تیار ہونی چاہئے جو زبان و بیان کے اعتبار سے بھی قابل تعریف ہو اور مواد کے اعتبار سے بھی اسلام کے مزاج کے خلاف نہ ہو۔

۵۔ سائنس ہماری زندگی کا جزء بن چکی ہے اس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں اس لئے سائنسی مضامین کو بھی نصاب میں جگہ دینی چاہئے۔ دین کو سائنٹفک انداز میں پیش کرنے اور قرآن کی آفاقی و انفسی آیات کو بخوبی سمجھنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم سائنسی علوم سے واقفیت حاصل کریں۔ مولانا عمران خان ندوی (تبلیغی جماعت بھوپال) کا یہ خیال ہمیں دعوت غور و فکر دیتا ہے۔

"علوم انسانیہ اور سائنس کی وہ ساری قسمیں جن سے انسانیت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے ان کا حصول نہ صرف یہ کہ اسلام میں ممنوع نہیں بلکہ ان

کا حصول واجب ہے۔"

جن دینی مدارس کے وسائل بہتر ہوں ان کو انٹر تک کی سائنس کی تعلیم دینا چاہئے اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے اہم کورسز ہیں مثلاً ایم بی بی ایس انجینئرنگ جدید فارمیسی وغیرہ ہر ایک میں داخلہ کے لئے انٹر پاس ہونا ضروری ہے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ دینی مدارس میں ہائی اسکول تک سائنسی تعلیم ہونی چاہئے تاکہ وہ دوسرے کالجوں میں انٹر میں داخلہ لے سکیں۔ اس کا نقصان وہ پہلو ہے کہ وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کے لئے بچہ کو دینی مدرسہ میں داخل کرایا جاتا ہے یعنی یہ کہ ہائی اسکول تک اس کو دین کے بارے میں وافر معلومات حاصل نہیں ہو سکیں گی اور اس کے اندر وہ تحریکی جذبہ پیدا نہیں ہو سکے گا جو مطلوب و مقصود ہے۔ اگر وہ دو سال مزید دینی فضا میں سائنس لے تو یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جب وہ کسی کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لے گا تو وہ کسی حد تک غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رہے گا، اگر مدرسہ میں اس کے اندر خوف خدا پیدا ہو گیا تو اس کے بھٹکنے، بگڑنے کا اندیشہ کم ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی کو بہت پہلے فرمایا تھا۔

دل میں ہو لاالٰہ تو کیا خوف ــــ تعلیم ہو گو فرنگیانہ

اوپر جن اہم باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اگر نصاب سازی کے وقت ان کو مدنظر رکھا جائے تو انشاء اللہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے ایک طرف تو طلبہ اس قابل ہوں گے کہ مغرب میں اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو وہ مخاطب کی زبان میں براہین و دلائل کے ذریعہ سائنٹفک انداز میں دور کر سکیں گے اور سائنسی مضامین کی مدد سے قرآن کے اسرار

بڑھیں جو ذرا مشکل ہے یا پھر کوئی ہنر سیکھیں جو تکنیکی اعتبار سے قابل فہم ہو۔

جب مدارس دینیہ کی صورتِ حال یہ ہو تو ہم ماضی کے مسلمانوں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ جنہوں نے قدیم علوم کے ساتھ ساتھ مغربی علوم بھی حاصل کئے اور عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ آیئے ہم سب مل کر اس کا حل تلاش کریں۔ ذیل میں چند اہم امور پیش کئے جا رہے ہیں اگر نصاب سازی کے وقت ان کو مدنظر رکھا جائے تو توقع ہے ہمارے مدارس کا افرادی بحران بھی دور ہو جائے گا۔

نصاب سازی سے متعلق چند اہم باتیں

۱۔ دینی مدارس میں باہم ربط پیدا کیا جائے

تمام مدارس کے ارباب حل وعقد ایک جگہ جمع ہو کر تعلیمی مسائل پر سنجیدگی سے غور کریں اور ایک ایسا جامع نصاب تعلیم مرتب کریں جس میں عصری علوم کو اس حیثیت سے شامل کیا جائے کہ وہاں سے نکلنے والا طالب علم سیکولر تعلیمی اداروں کے طلبہ سے کسی طرح بھی کم نہ ہو جب تک اس طرح کا نصاب تعلیم تیار نہیں کیا جائے گا اس وقت تک مدرسوں کے فارغین کسی علمی میدان میں اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں مولانا عبد السلام قدوائی ندوی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہیں وہ لکھتے ہیں:

"عیسائی نمائندوں کی استعداد، صلاحیت اور انداز بحث و گفتگو خاص طور سے ہمارے مذہبی حلقوں کے لئے قابل غور ہے۔ راقم الحروف کو خود کئی بار بین المذاہب کانفرنسوں میں شریک ہونے کا موقع ملا اور ہر مرتبہ یہی احساس ہوا کہ ہمارے مذہبی رہنما ان کے مقابلے میں نہ صرف عصر حاضر کے علوم سے کم واقف ہیں بلکہ تحقیق کے جدید معیار اور تعبیر کے نئے انداز سے بھی

زیادہ واقف نہیں ہیں اور اکثر مواقع پر علماء کے بجائے اسلام کی وکالت یونیورسٹیوں کے پروفیسروں ہی کو کرنی پڑی۔ یہ صورتِ حال مذہبی مدارس کے لئے قابل غور ہے نصاب و نظام تعلیم میں دور رس تبدیلیوں کے بغیر عصر حاضر کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے۔"

(معارف اگست ۸۰ء ص ۱۲۴)

۲۔ نئے نصاب کی تشکیل کے سلسلے میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ دینی اور دنیاوی علوم کی انفرادیت کو ختم کر کے ایک جان کر دیا جائے علوم کو دینی اور دنیوی دو الگ الگ حصوں میں بانٹنا دراصل دین اور دنیا کی تفریق کے تصور پر مبنی ہے اور یہ سراسر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ دنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے اور دنیوی زندگی میں ہر طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو اسی چیز کا نام دین ہے اس تصور دین کا اقتضا یہ ہے کہ تمام دنیوی علوم کو دینی بنا دیا جائے ورنہ اگر کچھ دوسرے علوم دنیوی ہوں اور وہ خدا پرستی کے نقطۂ نظر سے خالی ہوں اور اگر کچھ دوسرے علوم دینی ہوں اور دنیوی علوم سے الگ پڑھائے جائیں تو ایک بچہ شروع ہی سے اس ذہنیت کے ساتھ پرورش پائے گا کہ دین کچھ اور ہے اور دنیا کسی اور شے کا نام ہے مثلاً تاریخ، جغرافیہ، طبعیات، حیاتیات اور دیگر علوم اس طرح سے پڑھائے جاتے ہیں کہ ابتدا سے انتہا تک کہیں خدا کا نام نہیں آتا ہے تو اس سے دنیا اور اس کی زندگی کا جو تصور پیدا ہوگا وہ خدا کے تصور سے خالی ہوگا اسلام ایسا مذہب نہیں ہے کہ ہم دنیا کا کام اپنی مرضی کے مطابق چلاتے رہیں اور اس کے ساتھ چند عقائد اور عبادات کا جوڑ لگاتے رہیں اسلام چاہتا ہے کہ پوری تعلیم دینی

درموز کو آسانی سے سمجھ سکیں گے۔ دوسری طرف وہ پیشہ وارانہ کورسز میں داخلہ لے کر مستقبل میں معاش کے معاملہ میں خود کفیل ہو جائیں گے۔

مدارس کے منتظمین کا یہ خیال غلط ہے کہ علوم حاضرہ بالخصوص سائنس کی شمولیت سے عربی مضامین پر اثر پڑے گا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ دینیات کا جو کورس ہم تک علماء ماضی کے ذریعہ منتقل ہو کر آیا ہے وہ اتنا مختصر ہے کہ ہر زمانے کے تعلیمی نظام میں اس عہد کے رائج علوم و فنون کو اس کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں اسی بنیاد پر دین کی تعلیم کے لئے کسی مستقل جداگانہ نظام کو قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دینیات کے اسی نصاب کے ساتھ جب عہد مغلیہ کے درباری علوم و فنون: منطق و فلسفہ ریاضی اور فارسی کی کتابوں کو جوڑ کر ہم نے تعلیمی نظام کی وحدت کو پوری قوت کے ساتھ باقی رکھا تو کیا وجہ ہے کہ آج دینیات کے مخصوص کورس کو محور بنا کر عہد حاضر کے علوم و فنون کو ہم اس کے گرد گردش نہیں دے سکتے؟

بقیہ: ازواج مطہرات ......

۲۲ تجرید بخاری، اول ص ۲۰-۱۵ کتاب الصوم
۲۳ تجرید بخاری، اول ص ۲۱-۲۰ کتاب وجوب الزکوٰۃ۔ نیز بخاری کتاب النفقات باب عون المرأۃ زوجہا فی ولدہ اور بعض دوسرے ابواب۔
۲۴ تجرید بخاری، اول ص [illegible] کتاب الحج والقصد۔ نسائی کتاب المناسک تقدیم النساء والصبیان الی منازلہم بمزدلفۃ۔
۲۵ سیرت عائشہ ص ۲۹-۳۰ اور ص ۱۹۲-۱۹۳
۲۶ سیرت عائشہ ص ۲۰-۲۱
ترمذی ابواب الرضاع باب یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب
۲۷ تجرید بخاری، اول ص ۲۲ کتاب العلم، کتاب المغازی دوم ص [illegible] فضائل اصحاب النبی
[illegible] مسلم دوم ص [illegible] کتاب الفضائل دوم ص ۲۴۰ ترمذی کتاب الجنائز باب ما جاء فی الاحزان باب فی حفظ اللسان ابن ماجہ کتاب الفتن باب کف اللسان فی الفتنۃ
۲۸ سیرت عائشہ ص ۲۱۱
۲۹ ابن سعد ہشتم ص ۵۵
۳۰ ابن سعد ہشتم ص ۲۰۵
۳۱ ابن سعد ہشتم ص ۱۰۳ وما بعد
۳۲ ابن سعد ہشتم ص ۱۱۳
۳۳ بخاری، مسلم، ترمذی نیز ان کے حواشی۔
۳۴ اور یہاں تمام احادیث کے حوالے آچکے ہیں۔ ترجموں کے اعتبار سے ان کو ملحوظ کیا جاسکتا ہے۔

امام صالح بن زیاد سوسی رح

(م ۲۶۱ھ)

نام ونسب صالح نام، ابو شعیب کنیت اور شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔ ابو شعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ بن اسماعیل بن ابراہیم بن جارود بن مسرح الرستی[1]

صاحب تاریخ بغداد نے انکا تذکرہ محمد بن شعیب سوسی کے نام سے کیا ہے اور انکی کنیت ابو شعیب کے بجائے ابو المعصوم اور انکے جد اعلیٰ کا نام مسرح کے بجائے مقترح لکھا ہے[2]

انکے جد اعلیٰ مسرح الرستی کے نام و نسبت میں بھی اختلاف ہے چنانچہ علامہ ذہبی اور علامہ ابن الجزری نے نسبت الرستی لکھا ہے جبکہ خطیب بغدادی نے مقترح الرشتکی اور علامہ دانی نے الرستبی لکھا ہے[3]، مگر ہم نے معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار کے محققین بشار عواد معروف، شعیب الارناؤط اور صالح مہدی عباس کی تحقیق کو صحیح قرار دے کر الرستی لکھا ہے[4]

خاندان اور ولادت ووطن صالح بن زیاد کے خاندانی حالات مفقود ہیں، ابن حجر عسقلانی نے صرف انکے ایک بھائی عبدالواحد کا نام لکھا ہے[5]

---

۱ علامہ ذہبی، معرفۃ القراء ۱/۱۹۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۴ھ وابن الجزری، غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء ۱/۳۳۲-۳۳۳ مکتبۃ الخانجی مصر ۱۳۵۱ھ ۲ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ۵/۳۶۰-۳۶۱ مکتبۃ الخانجی مصر ۱۳۴۹ھ ۳ ایضاً ومعرفۃ القراء ۱/۱۹۳ وغایۃ النہایۃ ۱/۳۳۳۔ وابو عمرو عثمان دانی التیسیر ص ۸ مکتبہ نفیسیہ سرگودھا ۴ حاشیہ معرفۃ القراء ۱/۱۹۳ ۵ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان ۳/۱۶۹ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۳۰ھ۔

صالح بن زیاد سوسی کی تاریخ پیدائش تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھی ہے، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ۲۶۱ھ میں بعمر ۹۰ سال وفات پائی اس لحاظ سے اگر تاریخ ولادت کا تعین کیا جائے تو ۱۷۱ھ سنہ ولادت ہوگا۔

سوسی رہواز کے قریب ایک شہر سوس میں پیدا ہوئے، وہ ارض ربیعہ کے شہر رقہ جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھا رہتے تھے[1] لیکن علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ جزیرہ میں رہتے تھے[2]

ابوبکر خطیب بغدادی کی یہ تحریر کہ صالح بن زیاد سوسی ۲۲۳ھ میں اپنے سفر حج کے دوران بغداد آئے[3] ناقابل یقین ہے کیونکہ سوسی کی ولادت ہی ۱۷۱ھ یا اسکے بعد ہوئی

نسبت صالح بن زیاد نسبت سوسی سے معروف ہیں انکی یہ نسبت جائے تولد سوس کی طرف ہے سوس خوزستان کا ایک شہر ہے اور خوزستان بلاد فارس میں سے ہے یہ رہواز کے علاقہ میں پڑتا ہے یہاں بہت سے علماء و محدثین پیدا ہوئے اور سوسی کہلائے ان میں صالح بن زیاد سوسی زیادہ مشہور ہیں، اسی شہر میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر ہے[4] انکی زندگی ہی میں انکی شہرت سوسی سے ہو گئی تھی مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بھی اسی نسبت سے انکا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ امام صالح بن زیاد سوسی نے ابو محمد یحییٰ بن المبارک یزیدی سے علم قرأت کے رموز و نکات کی تحصیل و تکمیل کی، یزیدی امام ابو عمرو بن العلاء کے شاگرد رشید تھے۔

سلسلہ قرأت امام سوسی نے یحییٰ یزیدی سے تحصیل علم کیا اور انہوں نے امام ابو عمرو بصری سے اس فن کے رموز و نکات سیکھے تھے اس طرح امام سوسی کی قرأت ایک واسطہ سے امام بصری تک پہنچتی ہے اور امام بصری کے سلسلہ قرأت کو لے کر سوسی کی قرأت پانچ واسطوں

---

۱ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب ۳۹۲/۴ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۲۵ھ

۲ علامہ سمعانی، الانساب ۲۹۸/۷

۳ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ۳۶۰/۹

۴ ابن الاثیر، اللباب فی تہذیب الانساب ۷۰/۱ مکتبۃ القدسی قاہرہ ۱۳۵۷ھ العبقی خیر ... حاشیہ ۴۴/۲

سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہے۔

فن قرأت امام صالح بن زیاد سوسی نے امام القراء ابو عمرو بن العلاء بصری کی قرأت کی تحصیل یحییٰ یزیدی سے کی اور اسکی ترویج و اشاعت میں اسقدر حصہ لیا کہ امام بصری کی قرأت کے راوی کہلائے اسی فنی مہارت و صلاحیت کی بنیاد پر اس فن کے امام قرار پائے[1] تذکرہ نگاروں نے امام اور مقری اہل رقہ لکھا ہے[2]

تلامذہ امام سوسی کثیر التلامذہ ہیں ان سے بہت سے لوگوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی جنکے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔

ابو المعصوم محمد، ابو عمران موسیٰ بن جریر نحوی، ابو الحارث محمد بن احمد موسی عرقی، احمد بن محمد رافقی، احمد بن حفص مصیصی، محمد بن سعید الحرانی، علی بن محمد سعدی، احمد بن یحییٰ الاشنانی، علی بن احمد بن محمد عثری، محمد بن اسماعیل قرشی، علی بن حسین رقی، محمود بن محمد الادیب الانطاکی، موسیٰ بن جمہور، ابو الحسن بن زرعہ، اسماعیل بن یعقوب، علی بن موسیٰ بن یزید، احمد بن شعیب نسائی الحافظ، جعفر بن سلیمان المشلاقی، ابو عثمان نحوی، حسین بن علی خیاط[3]

حدیث امام سوسی کو قرأت کے ساتھ حدیث سے بھی اشتغال تھا انہوں نے عبید اللہ بن موسیٰ، عبد اللہ بن نمیر، اسباط بن محمد، سفیان بن عیینہ، محمد بن عبید، ابو اسامہ، یحییٰ بن صالح الوحاظی اور یحییٰ بن المبارک یزیدی سے احادیث کی روایت کی اور خود ان سے ابو عروبہ الحرانی، ابوبکر بن ابو عاصم، ابو علی محمد بن سعید رقی، مطین، ابو حاتم وغیرہ نے روایت کی ہے[4]

ان سے روایت کرنے والوں میں نسائی کا بھی ذکر کیا گیا ہے مگر ابن حجر نے اسکی صحت و عدم صحت سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا ہے[5]

ثقاہت امام صالح بن زیاد سوسی ثقہ و ثبت تھے ابن الجزری اور نسائی نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق قرار دیا ہے۔

---

۱ علامہ یافعی، مرآۃ الجنان ۱۶۳/۲ و ابن العماد حنبلی، شذرات الذہب ۱۳۲/۲ مکتبۃ القدسی قاہرہ ۱۳۵۰ھ

۲ غایۃ النہایہ ۳۳۲/۱ ۳ اللباب ۵۰۰/۱ و معرفۃ القراء ۱۹۳/۱ و تہذیب التہذیب ۳۹۲/۴ - ۴ تہذیب التہذیب ۳۹۲/۴ ۵ معرفۃ القراء ۱۹۳/۱ و تہذیب التہذیب ۳۹۲/۴ و غایۃ النہایہ ۳۳۲/۱

ابن حبان نے انکا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے[1]، لیکن کچھ لوگوں نے نقد و جرح بھی کی ہے۔ چنانچہ امام دارقطنی نے غیر ثقہ[2] اور مسلم بن قاسم الاندلسی نے ضعیف قرار دیا ہے[3]۔ محمد اندلسی کے اس بیان کو علامہ ابن حجر نے غیر مستند قرار دیا ہے[4]

وفات امام سوسی نے محرم ۲۶۱ھ میں موضع رقہ میں وفات پائی[5]

اولاد سوسی کے ایک صاحبزادے ابو معصوم محمد کا نام ملتا ہے انہوں نے سوسی ہی سے علم و فضل کا اکتساب کیا تھا[6]

---

[1] لسان المیزان ۱۶۹/۳ [2] لسان المیزان ۱۶۹/۳ [3] تہذیب التہذیب ۲۹۲/۴ [4] تہذیب التہذیب ۲۹۲/۴ [5] معرفۃ القراء ۱۹۳/۱ و غایۃ النہایہ ۳۳۲/۱ واللباب ۵۰۰/۱ و حافظ ابو شامہ براز المعانی ۲۲/ [6] غایۃ النہایہ ۳۳۲/۱

غزل

شفیع اللہ خاں راز اٹاوی

کبھی زمیں، کبھی آسماں کا ساتھ دیا
بشر کے عزم نے دونوں جہاں کا ساتھ دیا

ہر ایک شخص جسے گرد راہ کہتا ہے
قدم قدم پہ مرے کارواں کا ساتھ دیا

پہاڑ جیسی چٹانیں تو غرق آب ہوئیں
خفیف تنکوں نے سیل رواں کا ساتھ دیا

خزاں کا دور بھی رحم و کرم کا وقفہ تھا
بہار بن کے سرِ گلستاں کا ساتھ دیا

لبوں پہ حرف تکلم کے پھول کھلتے ہے
ہر ایک لفظ نے جنبش زباں کا ساتھ دیا

جو تری یاد میں روشن تھے آنسوؤں کے چراغ
تمام رات مری داستاں کا ساتھ دیا

تمہیں خبر بھی ہے موقع پرست لوگوں نے
کب آڑے وقت میں اہل جہاں کا ساتھ دیا

ہوا چمن میں تشدد کا بول بالا تھا
جب ہم نے راز ہر اک ناتواں کا ساتھ دیا

امام احمد بن حنبلؒ

محمد ظہیرالدین فلاحی

جو قوم اپنی تاریخ بھول جاتی ہے اور جس کو اپنے اسلاف کے حالات معلوم نہیں ہوتے وہ قوم ترقی نہیں کر پاتی ہے۔ اسلاف کے کارناموں کو نظروں کے سامنے رکھنا اور ان کے مطابق کام کرنا کسی قوم کے لئے ترقی و کامرانی کا پہلا ذریعہ ہوتا ہے۔ ہمارے اسلاف نے دین کی خاطر بہت کچھ برداشت کیا۔ خود مٹنا گوارہ کیا لیکن دین کا مٹنا گوارہ نہیں کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ انہیں میں سے ایک ہیں جنہوں نے مصائب و آزمائش کے وقت استقامت کا راستہ اختیار کیا اور رضائے الٰہی کی خاطر سب کچھ لٹا دیا۔ اسی مناسبت سے اس مختصر مضمون میں امام احمد بن حنبلؒ کی زندگی کا مختصر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

نام و نسب آپ کا نام احمد، کنیت ابو عبداللہ، والد کا نام محمد اور دادا کا نام حنبل تھا۔ والد کے بجائے دادا کی طرف آپ کی نسبت کافی مشہور ہوئی اور اس وقت دنیا انہیں امام احمد بن محمد کے بجائے امام احمد بن حنبلؒ کے نام سے جانتی ہے سلسلۂ نسب یہ ہے۔

احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بن ادد بن ہمیسع بن نابت بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ۔

ولادت آپ بمقام بغداد بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۶۴ھ بمطابق ۷۸۰ء تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے دور خلافت میں پیدا ہوئے۔ شہر بغداد ہی میں پرورش پائی۔ دو سال بعد آپکے والد محترم کا انتقال ہو گیا اور آپ یتیم ہو گئے۔

تعلیم امام صاحب کی والدہ بہت نیک تھیں، انہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کی اچھی طرح تربیت کی۔ علم کی جانب راغب کیا۔ سب سے پہلے حافظ کروایا۔

امام صاحب نے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا امام صاحب خود فرماتے ہیں۔

"میں ابھی بالکل بچہ ہی تھا کہ حفظ قرآن سے فارغ ہو گیا چودہ سال کا تھا کہ تحریر و کتابت کی مشق و تحصیل میں منہمک ہو گیا"

ابتدائی تعلیم بغداد میں حاصل کی۔ بغداد کے تمام بڑے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ لیکن ان کی تشنگی نہ بجھی اور انہوں نے دور دراز علاقوں کا سفر کیا جہاں کہیں کسی عالم دین اور امام وقت کو پایا ان سے ضرور استفادہ کیا۔ حصول علم کے لئے انہوں نے حجاز، کوفہ، بصرہ، یمن، دمشق، شام وغیرہ مقامات کا سفر کیا اور وہاں کے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بصرہ اور حجاز مقدس کا پانچ مرتبہ سفر کیا۔

شوق تعلیم

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا شوق علم حد درجہ بڑھا ہوا تھا آپ حصول علم کی راہ میں کبھی بھی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل ایک مرتبہ کسی ضرورت سے خلیفہ کے پاس گئے یہ وہ زمانہ تھا کہ جب خلق قرآن کا مسئلہ اپنے شباب پر تھا۔ امام موصوف کو دربار میں مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے سامنے دو آدمیوں کو قتل کر دیا گیا تاکہ اس سے امام احمدؒ ڈر جائیں اور قرآن کو مخلوق کہنے لگیں لیکن آپؒ پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں پڑا۔ اور جب انہوں نے امام شافعیؒ کے ایک شاگرد کو دربار میں دیکھا تو فوراً پوچھ بیٹھے کہ

"موزوں پر مسح کرنے کے سلسلے میں میرے استاد امام شافعیؒ کا کوئی قول یاد ہے؟"

آپ نے دیکھا کہ امام موصوف کے سامنے دو لوگوں کو قتل کر دیا گیا لیکن آپؒ اس واقعہ سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئے اور علم کا شوق اتنا زیادہ تھا کہ ایسے ہنگامی موقع پر بھی علم حدیث کے حصول کی بابت سنجیدہ رہے۔

تالیفات

امام احمد بن حنبلؒ کو تصنیف و تالیف کی جانب توجہ دینے کا بہت کم موقع ملا پھر بھی آپ کی جتنی تصنیفات ہم تک پہنچی ہیں وہ حد درجہ قابل قدر ہیں چند اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

مسند احمد، رسالہ صلوٰۃ، کتاب فضائل ابی بکر الصدیقؓ، کتاب فضائل حسنینؓ، فضائل

الصحابۃ، کتاب الاشربۃ، کتاب الزہد، کتاب ناسخ منسوخ، کتاب التاریخ، المناسک الکبیر، المناسک الصغیر، الرد علی الجہمیہ، الرد علی الزنادقۃ، غریب الحدیث، دلائل النبوۃ، کتاب الامام، سجود السہو۔ وہم الخبیۃ، النہی عن الکذب، کتاب التفاسیر۔

امام صاحب کی مسند جو دوسری کتابوں کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہوئی اس لئے اس کا تذکرہ علیحدہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کتاب کو بہت شہرت ملی۔ اس کتاب میں چالیس ہزار حدیثیں ہیں جن کا انتخاب ساڑھے سات لاکھ احادیث کے مجموعے سے کیا گیا۔ امام صاحب اپنی زندگی میں اسکو یکجا نہ کر سکے تھے۔ البتہ اس کا مسودہ تیار ہو چکا تھا۔ انتقال کے بعد ان کے خلف صالح اور صاحبزادے عبد اللہ نے اسکی ترتیب کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ اس کتاب کی ترتیب فقہی اصول کے مطابق نہیں ہے جیسا کہ عام محدثین نے اپنایا ہے۔ بلکہ اس کتاب میں ایک صحابی کی تمام مرویات اکٹھا درج کر دی گئی ہیں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ مسند میں صحیح، حسن اور غریب تینوں طرح کی روایات موجود ہیں امام ابن تیمیہؒ کا خیال ہے کہ مسند میں بعض روایات اصطلاحاً ضعیف تو ہیں مگر موضوع احادیث اسمیں نہیں ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنی کتاب المسند کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"یہ کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے لکھی ہے جب سنت رسول کے سلسلے میں لوگوں کے مابین کوئی اختلاف رونما ہوگا وہ اسکی طرف رجوع کریں گے"

اساتذہ

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے زمانہ کے جن اہل علم حضرات سے استفادہ کیا ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے البتہ انکے چند اساتذہ کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

امام ابو یوسفؒ، بشیر بن مفضلؒ، عبد اللہ بن نمیرؒ، وکیع بن الجراحؒ، یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان بن عیینہؒ، امام شافعیؒ، عبد الرزاق بن ہمام، اسماعیل بن علیہ، جریر بن عبد الحمید، معتمر بن سلیمانؒ، ہشیم بن بشیرؒ، عبد الرحمانؒ بن مہدی، عمیر بن عبد اللہ بن بحیرؒ، عیاش۔

تلامذہ امام احمد بن حنبلؒ کے علمی کمالات کا اندازہ آپ کے شاگردوں سے بخوبی ہوتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے "یعرف الشجر بثمرہٖ" درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں تین کا شمار اصحاب صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ کچھ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابو داؤدؒ، ابو زرعہؒ، ابو بکرؒ الاثرم، حنبل بن اسحاقؒ، اسحاق بن المنصورؒ، ابراہیم الحربیؒ، عبدالملک میمونیؒ، حرب الکرمانیؒ، مہنی الشامیؒ، ابو قدامہ، ابو حاتم الرازیؒ، ابو طالبؒ المشکانی، الحسن بن ثواب، ابن ہانی، ابو الصقر الوراقؒ، احمد بن واصل المقری۔

امام احمد بن حنبلؒ علماء کی نظر میں امام احمد بن حنبلؒ ایک باکمال محدث اور فقیہ تھے۔ آپ کی فقہ آج کل فقہ حنبلی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی شخصیت علماء کی نظر میں بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ بزرگ آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ مکمل نمونہ تھے۔ تقویٰ و طہارت کی آخری حد پر تھے۔ چند علماء کرام اور ائمہ عظام کی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں اس سے قارئین خود بخود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام صاحب کا مرتبہ کتنا بلند تھا اور امام صاحب کی شخصیت کتنی جامع اور اہم صفات کی حامل تھی۔

امام شافعیؒ امام شافعیؒ جو کہ امام احمد بن حنبلؒ کے استاد تھے فرماتے ہیں کہ "میں نے بغداد میں تقویٰ، پرہیزگاری اور علم کے لحاظ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مقابلے میں زیادہ کسی کو نہیں پایا" ایک دوسرے موقع پر امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی آٹھ صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

احمد امام فی ثمانی خصال۔ امام فی الحدیث۔ امام فی الفقہ۔ امام فی القرآن۔ امام فی الفقر۔ امام فی الزہد۔ امام فی الورع۔ امام فی السنۃ۔

امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے فرمایا تھا "احادیث صحیحہ کے تم سب سے بڑے عالم ہو کوئی صحیح حدیث پہنچے تو مجھے اس سے ضرور باخبر کر دو تاکہ میں اس کے مطابق مسلک

اختیار کر سکوں خواہ حدیث کسی شامی کی ہو یا مصری کی۔"

امام داؤد سجستانیؒ (صاحب سنن ابی داؤد) فرماتے ہیں "امام احمد بن حنبلؒ کی مجلس مجلس آخرت ہوتی تھی۔ اور آپ کے پاس بیٹھنا آخرت کے فوائد کو سمیٹنا ہوتا تھا۔

امام احمد بن سعید دارمیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول پاکؐ کی احادیث کو امام احمد سے زیادہ قوت حافظہ میں رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

قتیبہؒ (استاذ شیخین بخاریؒ و مسلمؒ) فرماتے ہیں "سفیان ثوری کے انتقال پر تقویٰ مر گیا۔ شافعیؒ کی وفات پر سنت مٹ گئی۔ امام احمد بن حنبلؒ کی وفات کے بعد دین کے مٹنے اور بدعت کے رواج کا خطرہ ہے"

ہلال بن علاء الرقیؒ فرماتے ہیں کہ "پروردگار نے امت مسلمہ پر چار اشخاص کے ذریعہ بڑا احسان فرمایا ایک امام شافعیؒ ہیں جنہوں نے احادیث رسول کو صحیح طریقہ پر سمجھا پھر مجمل مفسر خاص، عام اور ناسخ و منسوخ کو بتایا ــــ دوسرے ابو عبید ہیں جنہوں نے احادیث غریبہ سے مطلع کیا۔ تیسرے یحییٰ بن معین ہیں کہ جھوٹی اور گھڑی ہوئی حدیثوں سے امت کو آگاہ کیا۔ اور چوتھے امام احمد بن حنبلؒ ہیں کہ آزمائش کے وقت ثابت قدم رہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے بڑا کسی کو نہیں پایا۔

علی بن المدینیؒ ہم میں ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں ہے۔ میں انہیں پچاس سال سے جانتا ہوں اس مدت میں ان کی خوبی اور بھلائی بڑھتی ہی رہی۔

امام قاسم بن سلام علم چار آدمیوں پر ختم ہو گیا۔ احمد بن حنبلؒ۔ علی بن المدینیؒ۔ یحییٰ بن معینؒ اور ابو بکر شیبہؒ۔ احمد بن حنبلؒ ان سے زیادہ فقہ کے ماہر تھے میں نے احمد سے زیادہ سنت رسول کا عالم کوئی اور نہ دیکھا۔

راہ خدا میں استقامت

آزمائش اور امتحان کے وقت صبر کرنا اور اس پر جم جانا، اسی کا نام استقامت ہے۔ یہ مرتبہ کم ہی لوگوں کو ملتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو درجہ استقامت عطا فرمایا تھا۔ آپ راہ خدا میں مستقیم تھے۔ آپ کے ارادوں اور عزائم میں لغزش نہیں تھی۔ آپ ارشاد خداوندی اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم سجدہ ۳۰) بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کے مصداق تھے۔

امام صاحبؒ مختلف آزمائشوں سے دوچار ہوئے دور عباسیہ کا سب سے بڑا فتنہ فتنہ خلق قرآن تھا فتنہ خلق قرآن کے سلسلے میں سب سے زیادہ آپکو آزمایا گیا۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید برسراقتدار تھا فرقہ معتزلہ نے خلیفہ وقت کے ذہن و دماغ میں یہ بات ڈال دی کہ قرآن مخلوق ہے۔ مامون نے اس مسئلہ میں عوام و خواص سب کو ابھار دیا اور یہ حکم جاری کر دیا کہ جو قرآن کو مخلوق نہیں مانے گا وہ سزا کا مستحق ہوگا حکومت کی نظر میں باغی ہوگا۔ امام احمد بن حنبلؒ چونکہ اس زمانہ کے ایک جید عالم دین اور یگانہ روزگار امام تھے۔ عوام الناس کی نظریں آپ کی جانب اٹھی ہوئی تھیں کہ آخر اس مسئلہ میں امام صاحب کون سا موقف اختیار کرتے ہیں چونکہ مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے امام صاحب کو مامون نے مجبور کیا کہ وہ تسلیم کریں کہ قرآن مخلوق ہے آپ نے بلا خوف انکار کر دیا اور حق پر ڈٹے رہے۔ مامون کے انتقال کے بعد معتصم نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس نے بھی اپنے پیشرو خلیفہ مامون جیسا سلوک کیا پھر واثق کا زمانہ آیا۔ سب سے زیادہ واثق خلیفہ نے آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے۔ قید میں ڈالا۔ دروں سے پٹوایا اور مختلف قسم کی سزائیں دیں ——— بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کو اتنے کوڑے پٹوائے گئے اگر ہاتھی جیسے بھاری بھرکم جسم رکھنے والے جانور پر اتنے کوڑے پڑتے

تو وہ بھی چیخ پڑتا لیکن امام صاحب یہی جواب دیتے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں ہے۔ اگر قرآن و حدیث سے دلیل دے دو تو مان لوں گا۔

ایک دن کا واقعہ ہے۔ جلاد امام صاحب کی پٹائی کوڑوں سے کر رہا تھا تو آپ نے پہلا کوڑا پڑنے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمان و رحیم ہے دوسرے پر لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا اللہ کے سوا نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی قوت تیسرا کوڑا پڑنے پر القرآن کلام اللہ غیر مخلوق کہا۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے جو تھا کوڑا پڑنا تھا کہ آپکی زبان مبارک سے "لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا" کے الفاظ جاری ہو گئے یعنی ہم پر جو مصیبت آتی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ امام موصوف کو اللہ پر یقین کامل تھا کہ یہ مصیبت من جانب اللہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آزما رہا ہے۔ انشاء اللہ وہ ہمیں کامیاب کرے گا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت کے سلسلے میں صرف یہی ایک واقعہ (فتنہ خلق قرآن) کا تذکرہ کافی ہے۔ امام مزنیؒ کا بیان بھی افادۂ عام کے لئے نقل کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

دنیا میں پانچ ایسے افراد گذرے ہیں جنہوں نے مشکل قربانی پیش کی اور مصیبت کے وقت ثابت قدم رہے ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں جو مرتدین کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ دوسرے حضرت عمرؓ ہیں جنہوں نے رسول پاکؐ کے انتقال پر سقیفہ بنی ساعدہ میں قربانی پیش کی اور حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا کر لوگوں کو ایک بہت بڑے فتنے سے بچا لیا تیسرے حضرت عثمانؓ ہیں جو محصوری کے وقت ثابت قدم رہے یہاں تک کہ دشمنوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ چوتھے حضرت علیؓ ہیں جنہوں نے صفین کے موقع پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور پانچویں حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں جو فتنہ خلق قرآن کے مسئلے میں بہت زیادہ آزمائے گئے لیکن آپ کے پائے ثبات میں جنبش نہیں ہوئی اور آپ نے استقامت کا راستہ اختیار کیا۔

وفات امام احمد بن حنبلؒ کا بغداد میں ربیع الثانی ۲۴۱ھ مطابق ۸۵۵ء بروز جمعہ ۷۷ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ کی تعداد

محمد بن عبداللہ طاہر نے پڑھائی۔ جنازہ کی نماز میں میں تقریباً سات لاکھ کی تعداد موجود تھی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً ۲۵ ہزار بتائی جاتی ہے۔ خلق کثیر نے مل کر مغفرت کی دعا کی۔

خاتمہ کلام اس مختصر سے مضمون میں امام صاحب کی مکمل سیرت اور تمام کارناموں کا تذکرہ ممکن نہیں ہے۔ ویسے امام صاحب کی شخصیت کے مطالعے جوبات کھل کر سامنے آتی ہے وہ استقامت ہے۔ آپکی زندگی کا تابناک پہلو راہ خدا میں ثابت قدمی کا مظاہرہ ہے۔ آپ ایک داعی مجاہد اور اللہ کے سپاہی تھے۔ ظاہر ہے اللہ کے داعیوں کا سب سے قیمتی ہتھیار استقامت نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ جس طرح بھی آپکی شخصیت کے جہاں دیگر پہلو اہمیت کے حامل ہیں وہیں استقامت کا پہلو خاص طور پر ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اندر استقامت کا جذبہ پیدا کرے اور مصائب کے وقت امام احمد بن حنبلؒ کی طرح مستقیم رہنے کی توفیق عنایت فرمائے تاکہ ہم ارشاد خداوندی (ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون (سورہ حم السجدہ ۳۰) کے مصداق ہو سکیں۔

مستفادات

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ
۲۔ حیات امام احمد بن حنبلؒ	ابوزہرہ مصری
۳۔ ائمہ اربعہ	رئیس احمد جعفری
۴۔ تاریخ ملت (خلافت عباسیہ)	مفتی انتظام الدین اکبرآبادی
۵۔ حدیث کا تعارف	محمد فاروق خاں
۶۔ ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ (صحاح ستہ نمبر)	احمد مصطفیٰ صدیقی راہی

از علامہ یوسف القرضاوی

عورت کی سربراہی

ترجمانی: سید زاہد اصغر فلاحی

سوال:۔

کیا وہ حدیث صحیح ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ:

"لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃ" — وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے ایک عورت کو اپنا سربراہ مقرر کر دیا

وہ حضرات جو عورتوں کی برابری کے قائل ہیں اس حدیث کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایک دوسری حدیث سے ٹکراتی ہے جس میں حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔

"خذوا نصف دینکم من الحمیراء یعنی عائشۃ" — اے لوگو! اپنا نصف دین اس حمیرا یعنی عائشہؓ سے حاصل کرو

جواب:۔

جہالت ایک بڑی مصیبت ہے، اگر خواہش نفس اس پر مستزاد ہو تو کریلا نیم چڑھا کے مصداق مکمل تباہی ہے۔ ایسے لوگ جن میں جہالت اور خواہشات نفس کی پیروی دونوں یکجا ہوں کچھ بعید نہیں کہ وہ صحیح حدیث کو ضعیف قرار دیں اور ضعیف حدیث کو صحیح۔

پہلی حدیث جس میں عورت کی سربراہی کو فلاح کے منافی قرار دیا گیا ہے بالکل صحیح ہے۔ حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ جب حضورؐ تک یہ خبر پہنچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے ایک عورت کو اپنا سربراہ مقرر کر لیا یہ حدیث صحیح بخاری، ترمذی، مسند احمد وغیرہ میں درج ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

دوسری حدیث جس میں نصف دین کو حضرت عائشہؓ سے لینے کی ہدایت ہے تو اس کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نہ اس کی سند معروف ہے اور نہ کسی معتبر حدیث کی کتاب میں اس کی روایت موجود ہے ہاں ابن اثیر نے اپنی کتاب

"النہایہ" میں اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن یہ بتائے بغیر کہ کس نے اس کی تخریج کی ہے۔

یہ تو رہا اسکی سند پر کلام۔ اگر اسکے متن اور موضوع پر غور کریں تو عقل اسکو قبول کرنے سے قاصر ہے کیونکہ

۱۔ آنحضورؐ اس بات کی ہدایت کیسے کر سکتے ہیں کہ ہم نصف دین صرف ایک صحابیہ سے لیں۔ ان کے علاوہ جو سینکڑوں ہزاروں چوٹی کے صحابہ بیٹھے ہیں تو کیا باقی نصف دین ان سے لیں۔ کون سا نصف دین ان سے لیں اور کون سا نصف دین چھوڑیں۔

۲۔ حدیث میں عائشہؓ کے لئے "حمیرا" یعنی ننھی سرخ لڑکی کا لفظ مستعمل ہے جس میں بیوی کے لئے محبت اور ناز نخرے کا عنصر موجود ہے۔ عقل اس بات سے انکار کرتی ہے کہ حضورؐ نے ایک ایسے موقع پر اس لفظ کا استعمال کیا ہو جہاں وہ لوگوں کو دین کی ایک اہم بات سمجھا رہے ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ علماء اسلام نے عائشہ سے نصف دین تو کیا اس کا چوتھائی بھی نہیں لیا کیونکہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام کی نشر و اشاعت اور اسلامی تعلیم کی تبلیغ میں سینکڑوں ہزاروں صحابہ و صحابیات حصہ لیا۔ عائشہؓ اس سلسلے کی ایک اکائی ہیں۔ تاریخی حقائق سے ہٹ کر عقل کی کسوٹی پر بھی اگر اس حدیث کو پرکھا جائے تو عقل اسکے منافی ہے۔ اگر نصف دین عائشہؓ کی تعلیم پر موقوف ہے تو پھر ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ و ابن مسعود اور معاذ بن جبل جیسے اکابر صحابہ کا اس دین کی تعلیم میں کیا حصہ باقی بچا رہتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی احادیث کی تعداد تو اس سے کہیں کم ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ شخصیات کے فضائل کے سلسلے میں جو احادیث ہم تک پہونچیں ان میں از حد احتیاط سے کام لیں کیونکہ یہی وہ موضوع ہے جس میں حدیث گھڑنے والوں نے سب سے پہلے حدیث گھڑی۔ کسی شخصیت کی محبت و عقیدت میں غلو کرنے والوں نے سینکڑوں حدیثیں گھڑ ڈالیں فضیلت کی خاطر۔ ہمیں چاہیئے کہ ایسی احادیث کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیں۔

سوال

بعض حدیث کی کتابوں میں ایک حدیث میری نظر سے گزری کہ

ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ — مردہ شخص کے اقرباء جب اسکی موت پر آہ و بکا کرتے ہیں تو اسے اسکا بھی عذاب دیا جاتا ہے

یہ حدیث میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اسلام کا قاعدہ کلیہ تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کئے کی سزا بھگتتا ہے۔ تو پھر مردہ شخص دوسروں کی آہ و بکا کی پاداش میں کیونکر عذاب کا مستحق ہوا؟ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اسکی توضیح و تشریح کریں۔

جواب:-

رہی حدیث کی بات تو وہ بلاشبہ صحیح حدیث ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت کے ساتھ موجود ہے عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ جب عمرؓ کی حالت دیکھ کر رونے لگیں (جب نیزہ سے زخمی ہونے کی وجہ سے عالم نزاع کی کیفیت میں تھے) تو عمرؓ نے انہیں رونے پیٹنے سے منع فرمایا اور ان کے سامنے حضورؐ کی اس حدیث کا تذکرہ کیا۔

بخاری مسلم میں اسی مفہوم کی دیگر احادیث بھی ہیں اتنے تواتر کے ساتھ ان احادیث کا تذکرہ ہے کہ اسکے صحیح ہونے پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ علماء کرام نے اس حدیث اور اسلام کے قاعدہ کلیہ جس کا تذکرہ قرآن میں بار بار آیا ہے ان دونوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے علماء کرام کی ان رایوں کا اپنی کتاب فتح الباری کا ملاحظہ کیا ہے جہاں سے تین اہم رایوں کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

۱۔ یہاں اس حدیث میں عذاب سے مراد اس کا لغوی مفہوم ہے یعنی مجرد تکلیف اور دکھ نہ کہ آخرت یا قبر کا عذاب۔ یعنی جب میت کے اقرباء نوحہ کناں ہوتے جیسے روتے پیٹتے ہیں تو اس عمل سے میت کو تکلیف ہوتی ہے اسے دکھ ہوتا ہے اقرباء کے اس عمل کی اسے خبر رہتی ہے کیونکہ ابوہریرہؓ سے مروی صحیح حدیث ہے کہ

اعمال العباد تعرض علی اقربائھم — بندوں کے اعمال انکے مردہ رشتہ داروں پر

من موتاھم — پر پیش کئے جاتے ہیں۔

ابو جعفر الطبری، ابن تیمیہ جیسے جید علماء نے یہ تاویل پیش کی ہے۔

۲۔ عذاب سے مراد یہاں فرشتوں کی ڈانٹ پھٹکار ہے۔ امام احمد نے ابوموسیٰ اشعری سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میت زندہ شخص کی آہ و بکا سے عذاب میں رہتا ہے کیونکہ بین کرنے والی جب چیخ چیخ کر مرنے والے کو دہائی دیتے ہوئے کہتی ہے کہ ہائے تو ہی میرا سہارا تھا۔ تو ہی میرا مددگار تھا تو فرشتے ڈانٹ کر طنزاً مردہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی تو ہی اس کا سہارا تھا؟ کیا واقعی تو ہی اس کا مددگار تھا (حالانکہ ناصر حقیقی تو اللہ ہے)

اسی مفہوم کا ایک واقعہ امام بخاری نے کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے جسکے راوی نعمان بن بشیر ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن رواحہ پر نزاع کی کیفیت طاری ہوئی تو ان کی بہن چیخ پکار کرنے لگیں کہتی جاتی تھیں ہائے میری حفاظت کرنے والا۔ ہائے یہ اور ہائے وہ۔ عبداللہ بن رواحہ جب ذرا ہوش میں آئے تو فرمایا کہ تو نے جن جن چیزوں کے ذریعہ مجھے دہائی دی وہی ساری چیزیں مجھ سے کسی نے پوچھیں (یعنی فرشتوں نے) کہ کیا تم واقعی ایسے ہی ہو؟

۳۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں آہ و بکا سے مراد ہر آہ و بکا نہیں صرف بین کرنا اور نوحہ خوانی کرنا ہے اسی طرح میت سے مراد ہر میت نہیں بلکہ وہ میت ہے جس کے گھر والوں میں نوحہ خوانی ایک رواج کی حیثیت رکھتی تھی۔ میت اپنی زندگی میں سب کچھ دیکھتا تھا لیکن کبھی اس نے گھر والوں کو اس سے منع نہیں کیا اسکی طرف سے مکمل غفلت برتی۔ چنانچہ اس غفلت کی پاداش میں اسکو عذاب دیا جائے گا

امام بخاری نے اپنی رائے کی حمایت میں چند آیتیں اور احادیث پیش کی ہیں۔ مثلاً

یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً — اے مومنو! اپنے آپ کو اور گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ۔

حدیث نبوی ہے۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ — تم میں کا ہر ایک شخص ذمہ دار ہے اور وہ اپنی رعیت کے سلسلہ میں جوابدہ ہے

اس آیت اور حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے اس جرم کی پاداش میں عذاب دیا جائے کہ اس نے اپنی رعیت اور گھر والوں کی تربیت میں کوتاہی کی یعنی نوحہ خوانی کے رواج پر ضرب نہیں لگائی لوگوں کو روکا نہیں۔

۴۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جسے علامہ مناوی نے اپنی کتاب "الفیض" میں ذکر کیا ہے۔ کہ حدیث میں میت سے مراد وہ شخص ہے جو جاں بلب ہو نزع کی کیفیت میں ہو۔ اس حالت میں نوحہ کرنے والے جب اس کے اطراف میں چیخ پکار کرتے ہیں تو اسکی تکلیف کی شدت میں اضافہ کرتے ہیں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ نہایت ضروری ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جب یہ حدیث سنی تو ان کا موقف بھی وہی تھا جو موقف ہمارے سوال کرنے والے بھائی کا ہے۔ انہوں نے بھی اس حدیث کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ قرآنی آیات کے منافی ہے۔ انہوں نے اس حدیث کی روایت کو راوی کی بھول چوک پر محمول کیا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے وہ نہیں فرمایا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ۔

انہ لیعذب بمعصیتہ او بذنبہ وان اھلہ لیبکون علیہ — میت اپنے گناہوں کے پاداش میں عذاب کا حقدار ہوتا ہے اور اسکے گھر والے اس پر رو رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ ایک یہودی عورت کی لاش کے پاس سے گزرے۔ اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے آپؐ نے فرمایا کہ ادھر اسکے گھر والے اس پر رو رہے ہیں اُدھر اس پر عذاب نازل کیا جا رہا ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ علماء کرام عائشہ کی رائے سے متفق نہیں ہیں

تعلق سے مبرا تو صرف انبیاء کی ذات ہے۔ حافظ ابن حجر، امام قرطبی، امام ابن تیمیہ جیسے جید علماء حدیث نے حضرت عائشہؓ کی رائے کو صحیح احادیث کے مخالف قرار دیا ہے۔

سوال:۔

دو مقولے ہیں جنہیں ہم عام طور پر لوگوں کی زبانوں سے سنتے ہیں اور وہ دونوں مقولے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پہلا مقولہ یہ ہے "جلد بازی شیطان کا کام ہے" دوسرا مقولہ ہے سب سے بھلی نیکی وہ ہے جو جلد کرلی جائے" کیا دونوں حدیث نبوی ہیں، اگر حدیث ہیں تو ان دونوں کے درمیان مطابقت کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ ان میں کون صحیح ہے کون غلط؟

جواب:۔

پہلا مقولہ تو ایک حدیث نبوی کا جز ہے۔ پوری حدیث یوں ہے۔

"الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان"

یہ حقیقت ہے کہ جلد بازی کو ہر زمانہ میں اور ہر قوم نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ٹھہر ٹھہر کر کام نمٹانے کی حوصلہ افزائی ہر زمانے کے ذی شعور لوگوں نے کی ہے۔ اسی معنی و مفہوم کا حاصل ایک مقولہ ہے۔

فی التأنی السلامۃ فی العجلۃ الندامۃ	سوچ بچار میں سلامتی ہے۔ جلد بازی میں ندامت ہے۔

ابن قیم فرماتے ہیں کہ جلد بازی کو شیطان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جلد بازی میں جو فیصلہ کیا جاتا ہے اسمیں ہلکا پن غصہ اور طیش شامل ہوتا ہے جو بندہ کو وقار، بردباری اور ثبات سے دور کرتا ہے۔ چنانچہ یہ ہمیشہ برے نتائج پر منتج ہوتی ہے۔

رہا دوسرا مقولہ تو وہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ البتہ حضرت عباسؓ سے اس مفہوم کا ایک قول مروی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ

"لایتم المعروف الا بتعجیلہ"	اس قول میں بھلائی کے کام کو جلد کرنے کی ترغیب

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا اور اسکی

طرف تیزی سے لپکنا ایک پسندیدہ اور قابل تعریف فعل ہے۔ قرآن نے بھی ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے۔ قرآن فرماتا ہے

اولئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون	یہ مومن بندے نیکیوں کے سلسلہ میں سرعت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور انمیں وہ سبقت لیجانے کی کوشش کرتے ہیں۔
فاستبقوا الخیرات	اے لوگو! نیک کاموں میں سبقت لیجانے کی کوشش کرو۔

چنانچہ یہ دوسرا مقولہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بالکل درست ہے گرچہ حدیث نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حدیث میں اور اس دوسرے مقولے کے درمیان کوئی ٹکراؤ والی صورت بھی نہیں ہے۔

علماء کرام نے ٹھہر ٹھہر کر کام کرنے کو قابل مدح اور جلد بازی کو قابل مذمت تین شرطوں کے ساتھ ٹھہرایا ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کام جس کا کرنا مقصود ہو اگر اطاعت الٰہی اور بھلائی و نیکی کے دائرے میں آتا ہے تو اسمیں سبقت لیجانے کی کوشش کرنا اور اسمیں جلد بازی کرنا قابل تعریف ہے بلکہ یہی مطلوب و مقصود ہے۔ نبیؐ نے حضرت علیؓ کو ہدایت کی تھی کہ اے علی تم تین چیزوں میں کبھی تاخیر سے کام نہیں لینا۔ نماز جب اس کا وقت ہو جائے جنازہ جب سامنے لاکر رکھ دیا جائے۔ کنواری لڑکی جب اسکا "بر" مل جائے تو اسکی شادی میں جلدی کرنی چاہیئے۔)

ابو العیناء کو کسی نے جلد بازی سے منع کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو موسیٰؑ کبھی اللہ سے یوں مخاطب نہ ہوتے۔

وعجلت الیک رب لترضیٰ	اے رب میں تیرے پاس جلدی چلا آیا تاکہ تو خوش ہو جائے۔

۲۔ وہ جلد بازی مذموم ہے جو بغیر غور و تدبر و تفکر کے ہو۔ کسی کام میں غور و تدبر اور مشورہ

کے بعد ٹال مٹول سے کام لینا باعث مدح نہیں ہے۔ یہ تو سستی اور کاہلی پر محمول کیا جائیگا

قرآن فرماتا ہے۔

وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله۔

اور اے نبی تم ان لوگوں سے معاملے میں مشورہ لیا کرو پھر جب مشورہ کے بعد کسی چیز کا فیصلہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرکے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ

۳۔ شعبہ۔ ٹھہر کر کام کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اتنی تاخیر کرے کہ مقصد ہی فوت ہو جائے یا اس مطلوبہ کام کا وقت ہی نکل جائے۔ کیونکہ وقت نکل جانے کے بعد صرف کف افسوس ملنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

غزل

جمیل امین فلاحی ثاقب صدیقی

حصار جبر میں ہم زندگی گزار چلے — ترے جہان تغافل سے شرمسار چلے
وہ اور ہوں گے جنہیں منزل مراد ملی — وفا کی راہ میں ہم نقد جاں بھی ہار چلے
ذرا سا دل ہوا اجیرنا آنا کے جا — جہاں تلک ترے ظلم و ستم کا وار چلے
ہتھیلیوں پہ لئے سر کو جانب مقتل — چکانے قرض محبت کے جاں نثار چلے
کہاں ملیں گی اخوت کی خوشبوئیں یارو — محبتوں کے گلستاں کو جو اجاڑ چلے
ہر ایک سمت ہے خون و فساد کا موسم — خودی کے جوش میں ہم عاقبت بگاڑ چلے
اتر چکی ہیں قبائیں شعور و ضمیر کی تمام — چمن میں صرصر عصیاں ستم شعار چلے
حیات و موت بھی انسان کا اک معمہ — کدورتیں آکے جہاں میں اور انتشار چلے
حیا و شرم سر عام ہو گئی نیلام — زمیں پہ کیسے اب انسان باوقار چلے
سنا ہے کار جہاں انتقام کو سونپا — جو سر پھرے بھی اب انسان کے شکار چلے
جنون شوق رہا میرے سوز غم کا رفیق — تمام صحرا نورداں بہار کے پاس چلے

لکھ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا

روداد سفر لکھنا ہے جرأت مستانہ

ابو اللسان فخری

رات بھر یہ بہادر بھی غیر سرکاری طور پر ہماری میزبانی پوری کرتے رہے۔ یہ بھی پوری رات للکارتے تھے اور تاؤ دلاتے رہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب الخلقت مخلوق شاید ہی کرۂ ارض کا کوئی ایسا حصہ ہو جہاں نہ پائی جاتی ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ چاند پر ہوا پانی نہیں ہے پھر بھی ہمارا دعویٰ ہے کہ سائنس داں اگر ڈھونڈھیں تو شاید یہ مچھر وہاں بھی مل جائیں۔ انسان کے بنیادی حقوق میں مداخلت کرنا جیسے یہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوں۔ مچھر مار کر ہم پڑے رہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے حتیٰ کہ اذان فجر ہوگئی۔

دو دن ہم کرناٹک کی راجدھانی بنگلور ہی میں رہے۔ مسٹر ہد تو جیسے دن رات میسور کا وظیفہ پڑھ رہے ہوں۔ پورا دماغ چاٹ گئے۔ لہٰذا ہم نے خواہی نخواہی ۱۷ اگست کو سفر میسور کا پلان بنا ڈالا۔ بنگلور سے میسور کی دوری ایک سو چالیس کلو میٹر ہے لہٰذا بس کے ذریعہ سفر طے پایا۔ جنوبی ہند کی بسیں شمالی ہند کی بسوں کے مقابلے میں نسبتاً اچھی ہوتی ہیں۔ ____ ہم جیسے ہی میسور پہنچے سیاحوں اور تفریح کنندگان کا ایک ہجوم غفیر ہمیں نظر آیا۔ جدھر دیکھو ادھر آدمی ہی آدمی۔ اکثریت صنف نازک کی تھی ہر چہار جانب تتلیوں کی ٹولیاں نظر آئیں ____ مسٹر ہد جدھر دیکھتے ادھر دیکھتے ہی چلے جاتے۔ میں نے نوٹ کیا کہ وہ خواتین پر بڑی گہری نظریں ڈال رہے ہیں۔ میں نے کہا جناب یہ کیا کر رہے ہو؟ تو مسٹر ہد نے جواب دیا میاں! شریعت میں پہلی نظر معاف ہے لہٰذا پہلی نظر کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے تاکہ دوسری کی ضرورت ہی نہ پڑے ____ پھر اس کی تائید میں انہوں نے یہ شعر بھی سنا ڈالا۔

صائب دو چیز حلال است شرع را — سود خانہ همسایہ و حسن پری رخ بد

ہم نے ٹیپو سلطان (۱۷۴۹ — ۱۷۹۹) کا مقبرہ دیکھا جو گنبد کہلاتا ہے

مقبرے میں ٹیپو سلطان اپنے والد حیدر علی خاں اور اپنی والدہ فاطمہ بیگم کے ساتھ مدفون ہیں۔ ہم نے ان کی قبر پر دعا کی اور آگے بڑھ گئے ــــ ہم نے "رنگناتھ سوامی مندر" بھی دیکھا جس کی آخری تعمیر حیدر علی کے ہاتھوں ہوئی ــــ لوگوں نے بتایا کہ اس مندر میں آج بھی ہر ہفتے ٹیپو سلطان کے نام سے عبادت ہوتی ہے ــــ جس وقت ہم وہاں پہنچے اس وقت مندر بند تھا لہٰذا اندر گھسنے کا موقع نہیں ملا۔ پھر بھی ہم نے جھانک کر اندر دیکھا تو سادھو اور خواتین بکثرت نظر آئیں جو حلقہ بنائے بیٹھی نہ جانے کیا کر رہی تھیں ــــ
ہم چامونڈیشوری پہاڑی پر بھی گئے۔ پہاڑی کافی اونچی ہے۔ پہاڑی پر ایک مندر بھی ہے ــــ لوگوں نے بتایا کہ یہاں ایک تاریخی محل ہے جو تھری اسٹار ہوٹل میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں میسور کی بہت ساری تاریخی عمارات حکومت سرکاری کاموں میں استعمال کر رہی ہے۔

ہم نے دنیا کا سب سے خوبصورت محل مہاراجہ پیلس بھی دیکھا۔ وہ سونے کی کرسی بھی ہماری نظر سے گزری جس پر بادشاہ بیٹھتا تھا ــــ پھر کرافٹ مارکیٹ کے بازار بھی ہم گئے۔ ہندوستان کی سلک پیداوار کے اسی فیصد (۸۰٪) کا انحصار میسور پر ہے ــــ اب سفر میسور کی سب سے اہم چیز ورنداون گارڈن کی باری تھی۔

"ورنداون گارڈن" میسور سے بائیس کلومیٹر دور واقع ہے۔ یہاں کی تین چیزیں دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ پانی کا جھرنا، باغ اور میوزک والا فوارہ ــــ ہم نے یہاں رقبے کی وسعت اور معاملے کی اہمیت کے پیش نظر کئی گھنٹے وقف کرنے کا فیصلہ کیا ــــ مسٹر [illegible] ورنداون گارڈن پہنچتے ہی بے خودی کا شکار ہو گئے ــــ یہاں دائیں بائیں، آگے پیچھے تتلیاں ہی تتلیاں۔ وہ بس دیکھتے بس دیکھتے ہی رہ جاتے۔ چلتے چلتے وہ کسی سے ٹکرا جاتے ہم نے بعینہٖ طور پر محسوس کیا کہ وہ بار بار ہم سے کافی پیچھے ہو جاتے ہیں۔ ہم انہیں ساتھ لینے کے لیے اپنی رفتار سست کر دیتے مگر پھر وہی حال ــــ میوزک والے فوارے تک پہنچتے پہنچتے ہم نے دیکھا کہ مسٹر [illegible] کا کہیں پتہ ہی نہیں۔ کافی دیر تک ہم نے رک کر وہاں انتظار کیا مگر وہ نہیں آئے ــــ

اب باقاعدہ ان کی تلاش شروع ہو گئی مگر نہ انہیں ملنا تھا اور نہ وہ ملے ــــ مجھے سعدی کا شعر یاد آ گیا ــــ میں نے دل میں سوچا وہ مفرور ہی کیا جس میں مسٹر [illegible] کسی قافلۂ نازک بدن کے ساتھ فرار ہونے میں اپنی سعادت نہ محسوس کریں۔

میسور سے بنگلور ہم پھر واپس آ گئے۔ ابھی ہم بنگلور ہی میں تھے کہ ۱۵ اگست کا سورج طلوع ہو گیا ــــ ہبلی (ہبلی نزد دھارواڑ بنگلور سے کچھ دوری پر واقع ایک مقام) کی عیدگاہ کا مسئلہ زوروں پر تھا۔ بی جے پی نے اعلان کر رکھا تھا کہ ۱۵ اگست کو وہ عیدگاہ پر بھارت کا قومی پرچم لہرائے گی۔ اس دن بی جے پی نے عیدگاہ پر چڑھائی بھی کی مگر ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ پولیس کے ساتھ تصادم میں پانچ افراد ہلاک ہوئے اور معاملہ دب گیا۔

۱۶ اگست کی صبح ہم بنگلور سے وانمباڑی (تامل ناڈو) کے لئے روانہ ہوئے۔ وانمباڑی میں "اسلامی بیت المال" ہمیں کافی پسند آیا۔ یہ چھوٹا موٹا سا غیر سودی اسلامی بینک ایسا ہے جیسا ہندوستان میں نہیں کسی اسلامی ملک میں واقع ہو۔ مسز زریں تبسم اور نوجوانان بستی سے تبادلۂ خیال کرنے اور انہیں خطاب کرنے کا بھی ہمیں موقع ملا۔ مجھے یہ جان کر کافی حیرت ہوئی اور بے پناہ خوشی بھی کہ سری لنکا کی سرحد سے لگی ہوئی تامل ناڈو ریاست کے اس چھوٹے سے قصبہ وانمباڑی میں "ترنگ" "ماہنامہ مجلہ حیات نو" اور "جامعۃ الفلاح" کو خوب جانتے ہیں۔ جنوبی ہند کے مختلف مقامات پر "ماہنامہ مجلہ حیات نو" کا تذکرہ بار بار آیا۔

زبان کا مسئلہ ہمارے لئے کافی نازک رہا۔ ہندوستان کی جنوبی ریاستوں کی مقامی زبانیں خاص طور پر کنڑ اور تلگو ہم رتی برابر بھی نہ سمجھ سکے۔ ہمیں تو ایسے لگا جیسے لوہے پر کوئی کنکر پھیر رہا ہو ــــ معاملہ نازک سے اس وقت نازک ترین ہو جاتا جب کسی رکشہ والے سے ہمارا واسطہ پڑتا۔ شاید ہی کبھی دو چار جگہوں کی سیر کئے بغیر ہم اپنے اصل ٹھکانے پہنچے ہوں۔ ہم کچھ کہتے اور رکشہ والا کچھ سمجھتا لہٰذا جگہ جگہ اس بات کا شدت سے احساس ہوتا کہ "زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم"۔

وانمباڑی سے ہم ویلور روانہ ہوئے۔ ویلور کا اسپتال غالباً ایشیا کا تیسرا

شہر کا اسپتال ہے۔ ہم وہاں ایک مریض کی عیادت کے لئے بھی حاضر ہوئے ـــ ہم نو اسلامک سنٹر ویلور بھی گئے۔ یہ خاص طور پر نومسلموں کے لئے بنایا گیا ہندوستان میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے۔ اب تک اس سے پانچ ہزار نومسلم حضرات استفادہ کر چکے ہیں ـــ حکومت کی اس سنٹر پر بڑی کڑی نظر ہے۔ خفیہ پولیس ہر وقت اس کا چکر کاٹتی رہتی ہے ـــ نومسلموں کے ساتھ ہماری ایک نشست رکھی گئی ـــ ایک نومسلم شاکر آفندی سے ملاقات ہوئی۔ وہ عیسائی تھے اور عیسائی مذہب کی تبلیغ مسلمانوں میں کرتے تھے مگر اللہ کی مرضی شکار کرنے آئے تھے مگر خود شکار ہو گئے ـــ ان کا کہنا تھا کہ الحمدللہ اب میں بالکل مطمئن اور خوش و خرم ہوں۔ حقیقی ہدایت اب مجھے ملی ہے۔

ایک دوسرے نومسلم بھائی عبدالرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ نچلے طبقے کی مظلومیت سے عاجز آکر اسلام سے قریب ہو گئے تھے اور مشرف با اسلام ہو گئے ـــ ایک چھوٹے نومسلم بچے انور علی سے بھی ملاقات کا موقع ملا۔ اسکی عمر سات آٹھ سال سے زائد نہ رہی ہوگی۔ ناظم ادارہ نے بتایا کہ یہ بچہ بہت لمبی لمبی دعائیں مانگتا ہے۔ اس نے اپنی ماں سے پہلے اسلام قبول کیا۔ جب اس کی ماں اسلام نہیں لائی تھیں اس وقت کا واقعہ ہے کہ یہ اپنی ماں کی ہدایت کے لئے دعائیں مانگا کرتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسکی ماں کو بھی ہدایت کی توفیق عطا فرمائی اور وہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ ادارے میں بچے کی ماں کے اسلام لانے کی اطلاع آئی تو بچے نے کہا "یہ میری دعا کا نتیجہ ہے"۔

نومسلم بھائیوں کو دیکھ کر اور ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ ان سے خطاب کا موقع بھی ملا جس کا ترجمہ ناظم ادارہ نے مقامی زبان میں انہیں بتایا ـــ اس ادارے میں نومسلم خواتین کی تعلیم و تربیت اور ان کی رہائش کا بھی معقول نظم ہے۔ ناظم ادارہ کا اصرار تھا کہ ان سے بھی پردے کے ساتھ کچھ گفت و شنید ہو۔ عورتیں مردوں سے زیادہ ذہین ہیں۔ مگر وقت کی قلت کی بنا پر ہم اس سعادت سے محروم رہے۔

ویلور سے ہم مدراس کے لئے روانہ ہوئے POINT TO POINT کی بس ہمارے لئے کافی دلچسپ رہی۔ ہم کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ یہ نان اسٹاپ بس

راستے میں کہیں نہیں رکے گی اور مدراس پہنچ کر ہی دم لے گی۔ مدراس سے ہماری واپسی بذریعہ کوچین ایکسپریس ہونی تھی ٹکٹ بہت پہلے بن چکا تھا ـــ مسٹر ہدہد کو بھی معلوم تھا کہ واپسی مدراس سے ہونی ہے۔ ہمارا اور ان کا سفر ایک ساتھ تھا ـــ لہٰذا ہمیں امید بندھی تھی کہ ہو سکتا ہے گرتے پڑتے کہیں سے وہ نکل آویں۔ آخر وقت تک انتظار کے باوجود وہ نہیں آئے۔ انتظار انتظار میں ان کا ٹکٹ بھی ہم واپس نہیں کر سکے۔ سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ مدراس سے واپسی کا سفر تنہا مجھے کھینچنا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ رضا بقضا ہو کر ٹرین میں سوار ہو گیا۔

۱۰ر اگست ۱۹۹۲ء کو لکھنؤ پہنچا۔ امین آباد جھنڈے والے پارک میں عجیب و غریب واقعہ تھا ـــ ایک درخت کی شاخ سے ایک تخت بندھا جھول رہا تھا اور اس پر ایک سادھو براجمان تھا۔ پتہ چلا کہ سادھو جی نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ عمر بھر زمین پر قدم نہیں رکھیں گے لہٰذا وہ اسی معلق تخت پر ہی شب و روز بسر کرتے ہیں۔ ہم اس وقت تو معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے مگر بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ سادھو جی ڈھونگ رچا کر وہاں اپنا قدم جمانا چاہتے ہیں تاکہ دھیرے دھیرے وہاں ایک مندر بنا سکیں۔

لکھنؤ بس میں بیٹھے تو پتہ چلا کہ بس کافی گھوم کر جائے گی۔ ایودھیا سے ہو کر جانے والا راستہ بند ہے۔ ایودھیا میں ہندوؤں کے تہوار کی بنا پر کسی بس کو ادھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مجبوری تھی ہم بھی گھومتے گھامتے گاؤں پہنچے ـــ اچھا ہم ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ مسٹر ہدہد کی اہلیہ آدھمکیں۔ چھوٹتے ہی بولیں "ہمارے میاں کہاں رہ گئے؟" ـــ میں عجیب کشمکش و پیچ میں پڑ گیا کہ کیا جواب دوں۔ "سر منڈاتے ہی اولے پڑے" والا معاملہ تھا۔ میں نے کہا "پیچھے رہ گئے ہیں آ رہے ہوں گے" ـــ مگر وہ مجھے ایسا دیکھ رہی تھیں جیسے میری باتوں پر انہیں اعتبار ہی نہ ہو ـــ خیر میں نے انہیں کسی طرح ٹرخایا ـــ البتہ ادھر رات بھر میری نیند تین بار اچٹ چکی ہے کہ صبح ہوتے ہی میں ہدہد کی اہلیہ کو کیا جواب دوں گا۔

عبداللہ فخری ندوی

تعارف وتبصرہ

دینی مدارس اور عصر حاضر — مؤلف: مولانا محمد رضوان القاسمی

کتابت وطباعت: عمدہ

صفحات: ۱۲۰ قیمت: ۲۵ روپے

ناشر: مرکز دعوت وتحقیق عارف بلڈنگ عابد روڈ حیدرآباد اے پی پن کوڈ ۵۰۰۰۰۱

ملنے کے پتے

۱۔ ندوۃ الجمعیتی ارم کاٹیج اعظم پورہ حیدرآباد

۲۔ قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز ودھی بلڈنگ حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی

۳۔ دارالعلوم سبیل السلام سیل گلہ بالا پور بارکس حیدرآباد پن کوڈ ۵۰۰۰۰۵

دینی مدارس کی تاسیس کے پس منظروں اور مقاصد پر نظر ڈالی جائے تو اس بات میں دو رائے نہیں ہو سکتی کہ یہ سب احیاء دین اشاعت اسلام اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ البتہ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ ان سے یہ مقاصد کس قدر پورے ہوئے؟ اور اس سے اہم سوال یہ ہے کہ آج یہ کس قدر پورے ہو رہے ہیں؟ اور اگر کما حقہ پورے نہیں ہو رہے ہیں تو اس کے کیا اسباب ہیں؟ انہیں کیسے مفید اور فعال بنایا جا سکتا ہے؟ زیر تبصرہ کتاب دراصل اسی سوال کا جواب ہے۔

مؤلف موصوف چونکہ عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ ہیں اور خود ایک بڑی درسگاہ دارالعلوم سبیل السلام (حیدرآباد) چلا رہے ہیں اس لئے اس میدان کا براہ راست تجربہ رکھتے ہیں چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر بڑی ہی جامع اور نفیس بحث کی ہے۔ پہلے تو انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ آج درسگاہوں سے نکلنے والے فضلاء کی صورت حال امید افزا نہیں بلکہ ان کی افادیت کا تناسب بہت کم ہے۔

پھر انہوں نے ان خامیوں کی نشاندہی کی ہے جو مدارس اسلامیہ کے موجودہ

نظام تعلیم میں پائی جاتی ہیں۔ اس ذیل میں انہوں نے چھ باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۔ "نصاب تعلیم میں ایک گونہ جمود

۲۔ بعض ایسے فنون پر جو براہ راست دین سے تعلق رکھتے تھے محض وقتی مصالح کی بنا پر انکی تعلیم دی گئی تھی، ضرورت سے زیادہ اصرار اور انکی جگہ جدید علوم وفنون سے بے توجہی بلکہ بے نیازی۔

۳۔ فن کے بجائے کتاب کی تعلیم

۴۔ طرز تدریس کی خامیاں

۵۔ دوسری اہم اور علاقائی زبانوں کے سیکھنے سے احتراز

۶۔ مدارس میں باہمی ارتباط، آپسی احترام اور نظم وضبط کا فقدان۔" (ص ۲۳-۲۵)

ان خامیوں کے ازالے کیلئے جو اصلاحات مطلوب ہیں موصوف نے اس سلسلے میں بھی مفید مشورے دیئے ہیں جن کی تفصیل کے لئے اصل کتاب کو دیکھنا چاہئے۔ میری رائے میں مدارس کے ذمہ داران، اساتذہ کرام اور اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کی خواہش رکھنے والے طلبہ کو یہ کتاب ضرور پہلی فرصت میں پڑھنی چاہئے اس کے ذریعہ انہیں اپنا نقشہ عمل ترتیب دینے میں بہت کچھ مدد ملے گی۔

کتاب کے آخری حصہ میں ایک ضمیمہ بھی ہے جو پانچ مضامین پر مشتمل ہے پہلے میں دینی مدارس کی ضرورت واہمیت کے سلسلے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات پر مشتمل ایک مضمون کا تنقیدی جائزہ ہے۔ دوسرا مضمون علماء کی طرف سے انگریزی تعلیم کی مخالفت کی حقیقت کیا ہے؟ (از سید محبوب رضوی) کو شامل کیا گیا ہے۔ مؤلف کے علاوہ کسی اور کے مضمون کا اس طرح شامل کیا جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی پر قیمت ہو جبکہ مؤلف موصوف اپنے اصل مضمون میں اس پہلو پر بھی خاصی بحث کر چکے ہیں۔ تیسرا مضمون دینی مدارس کے نصاب تعلیم پر ملک بھر کے ماہرین تعلیم سے حاصل کی گئیں رایوں اور مشوروں پر مشتمل ہے، چوتھا مضمون دینی مدارس کی نصابی کتب کے ایک جائزہ پر مشتمل ہے اور پانچواں مضمون دراصل ان تجاویز پر مشتمل ہے جو

موصوف نے اصلاحات کے سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کو دیے ہیں اس طرح ضمیمہ بھی ایک خاصے کی چیز ہے جس سے ہر ایک استفادہ کر سکتا ہے۔

چلتے چلتے اس کتاب کی تالیف سے خود مؤلف کے پیش نظر کون سا مقصد ہے اسے سمجھنے کے لئے درج ذیل اقتباس پر نظر ڈال لینا کافی ہے

"جدید چیلنج کے مقابلہ اور عصری تقاضوں کی رعایت سے میری مراد یہ ہے کہ طالبان مدارس درس گاہوں کے مضبوط حصار سے باہر نکلنے کے بعد جن حالات سے دو چار ہوں وہ ان کے لئے نامانوس اور اجنبی نہ ہوں اور یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو جائیں کہ انہوں نے اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ ایک ایسے قلعہ میں بند رہ کر گذارا ہے۔ جس کا باہر کی دنیا سے کوئی رشتہ نہ تھا بلکہ وہ اس پوزیشن میں ہوں کہ موجودہ تمدن جس کی رگ و پے میں الحاد و دہریت کا خون دوڑ رہا ہے اور جس میں علوم و معارف کے ذریعہ خالق کائنات سے "جڑنے" کے بجائے "ٹوٹنے" اور "قرار" کے بجائے "فرار" کی تعلیم دی جاتی ہے کو اسلامی اور اخلاقی اقدار کے سانچے میں ڈھال کر مسلمان بنا سکیں اسلام کے پیش کردہ نظام حیات اور اس کے تمام شعبوں پر ان کو گہری بصیرت حاصل ہو، اسلام کے خلاف ہونے والے فکری اور نظریاتی اعتراضات سے بھی وہ نابلد نہ ہوں اور وہ اس کا مسکت جواب دینے کی پوزیشن میں ہوں نیز اس پیغام کو عام کرنے کیلئے احیاء کردار ادا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں، اس کا جذبہ بھی اور اس پر کامل وثوق بھی" (ص ۲۱-۲۲)

بعض مقامات تصحیح کے متقاضی ہیں جن کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

۱۔ ص۳ پر علامہ مجدالدین فیروز آبادی کا (متوفی [illegible]ھ) لکھا ہے۔ جبکہ اسے (متوفی [illegible]ھ) ہونا چاہئے۔

۲۔ ص۵ پر تحریر ہے "قرآن کے الفاظ میں "ھذا قسمۃ ضیزی" یہ ناقص تقسیم ہے" جبکہ قرآن کے الفاظ ہیں "تلک اذا قسمۃ ضیزی" (النجم-۲۲)

۳۔ ص۹ پر ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب کی کتاب کا نام "اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین بھا" لکھا گیا ہے جبکہ کتاب کا نام "دروس اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین بھا" ہے۔

خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ (از مولانا مجیب اللہ ندوی)

کتابت و طباعت: اوسط صفحات: ۸۲ قیمت: غیر مذکور

ناشر: ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ (یوپی)

مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ العالی علمی و دینی حلقوں کی چیدہ شخصیات میں سے ہیں فقہ اور اہم دینی و ملی مسائل پر بہت سی کتابیں لکھ چکے ہیں، جامعۃ الرشاد کے مہتمم بھی ہیں، پیرانہ سالی کے باوجود جوانوں سے زیادہ محنت و لگن پائی جاتی ہے۔

آپ کی یہ کتاب اس پہلو سے انتہائی گراں قدر ہے کہ اس سے تعلیم نسواں کو مہمیز ملتی ہے اور اس عام غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے کہ تعلیم و تعلم عورتوں کی ضرورت نہیں اور اب تک کی علمی ترقی میں ان کا کوئی حصہ نہیں رہا ہے۔ خاص اس پہلو سے اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے البتہ بصد احترام اتنا ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ انداز بہت سرسری ہے جبکہ موضوع جامعیت کا متقاضی تھا خصوصاً صحابیات سے متعلق معلومات ادھوری ہیں جبکہ اس پر وافر مواد موجود ہے اور بعض پہلوؤں سے اسے منظر عام پر لانا انتہائی ضروری ہے۔

اسی طرح پوری کتاب میں خدمت کا پہلو کم نمایاں ہے اور تحصیل کا پہلو غالب ہے جو کتاب کے موضوع سے بہت زیادہ میل نہیں کھاتا۔

بعض مقامات پر عربی عبارتوں کے ترجمے چھوٹ گئے ہیں مثلاً ص۱۳ اور ص۱۴ پر صرف اردو جاننے والوں کی رعایت کرتے ہوئے آئندہ اڈیشن میں ان کے ترجمے شامل کر دیئے جانے چاہئیں۔

اخیر میں مولانا سے یہ گذارش ہے کہ ان کمیوں کے ازالے کے ساتھ ساتھ چودھویں صدی ہجری سے اب تک کی خدمات کا تذکرہ بھی مکمل فرما دیں تو ایک بڑا کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا اور رہتی دنیا تک اہل علم مستفید ہوتے رہیں گے۔

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

نئے تعلیمی سیشن کا آغاز

حسب اعلان ۹۶-۱۹۹۵ء تعلیمی سیشن کا آغاز ۸ مارچ ۱۹۹۵ء شنبہ سے ہوگیا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۹۵ء سے ۱۸ مارچ ۱۹۹۵ء تک ضمنی اور چھوٹے ہوئے امتحانات ہوئے۔ عربی اول میں داخلہ کے لئے تحریری مقابلہ ہوا۔ کتب خانہ سے طلبہ وطالبات نے کتابیں نکالیں بقایاجات کی ادائیگی اور تجدید داخلہ کی کارروائی مکمل کرکے دارالاقامہ میں اپنے لئے کمرے حاصل کئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ۱۹ مارچ ۱۹۹۵ء سے باقاعدہ تعلیم شروع ہوگئی ہے۔ اس سال طلبہ کے اور طالبات کے داخلے ہوئے ہیں۔ اور اس سے بڑی تعداد کو جگہ کی تنگی اور وسائل کی کمی کی بناپر بےنیل مرام واپس جانا پڑا۔ ہم کیا کرسکتے تھے۔ مجبور تھے ہمیں اس پر افسوس ہے۔

مولانا نور محمد صاحب فلاحی نگران اعلیٰ

تعلیم وتربیت کا چولی دامن کا تعلق ہے بلکہ بسا اوقات تربیت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ جامعۃ الفلاح نے تربیت کی اس اہمیت کو ہمیشہ محسوس کیا ہے اور اس نے اس کا ایک مستقل نظام بنا رکھا ہے۔ مولانا نور محمد صاحب فلاحی اس نظام تربیت کے نگران اعلیٰ مقرر کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق دے۔

جناب اعجاز اسلم صاحب کا خطاب

۱۵ مارچ ۱۹۹۵ء بروز سنیچر سکریٹری جماعت اسلامی ہند محترم جناب اعجاز اسلم صاحب نے طلبہ جامعہ سے خطاب کرتے ہوئے جامعہ میں اپنی آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔ موصوف نے علمی وتحقیقی کاموں کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کرائی۔ انہوں نے فرمایا جرمنی سے اخراج کے بعد یہودیوں نے رعایت کی بھیک مانگنے کے بجائے علم وتحقیق کی جانب توجہ مبذول کی۔ انہوں نے ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کو اپنے قائم کردہ اداروں میں رعایت

دی لیکن اپنے لئے کوئی رعایت نہیں رکھی۔ مثال کے طور پر انہوں نے طے کیا کہ ان کے بچے اسی وقت وظیفے کے مستحق قرار پاسکتے ہیں جب وہ ۸۰٪ فیصد نمبر لائیں لیکن ہندو پاک کے طلبہ ۶۰٪ فیصد یا اس سے کم بھی نمبر لاکر وظیفہ کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے بچے بےانتہا محنت کرتے اور اہلیت کی بنیاد پر آگے بڑھتے ہیں۔ سکریٹری جماعت نے عصری علوم کی طرف بھی طلبہ کی توجہ مبذول کرائی اور ساتھ ہی یہ اعتراف کیا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ میں ہمارے طلبہ کے جانے کے بعد ماحول پر اثر پڑا ہے۔ موصوف نے اپنی تقریر میں اجتماعیت پر بھی زور دیا اور ایس آئی او کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے طلبہ سے خواہش ظاہر کی وہ اس میں شامل ہوں اور اپنا کردار ادا کریں۔

جناب عبدالعظیم فلاحی صاحب سفر حج پر

یہ ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ برادر عزیز جناب عبدالعظیم فلاحی صاحب حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے جارہے ہیں۔ ان کی روانگی سے قبل ۲ اپریل ۱۹۹۵ء کو ان کے اعزاز میں اساتذہ نے ایک نشست رکھی۔ صدر جامعہ کے افتتاحی کلمات کے بعد مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی صاحب نے فرمایا حج بیت اللہ کی سعادت بار بار حاصل نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے اس سفر پر جانے والے برادر کو میرا مشورہ یہ ہے کہ اس فریضہ کو بہتر سے بہتر طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کریں گے اور قلبی اور ذہنی تیاریوں کے ساتھ ادا کرنے کی سعی کریں گے۔ تاریخی اعتبار سے کتنے اہم مقامات ہیں، وہ اپنے اندر ہمارے لئے کیا پیغام رکھتے ہیں، عام طور سے لوگ حج کرکے چلے آتے ہیں اور اس پیغام کو اپنے قلب وذہن میں مستحضر رکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت اس کی تاریخ ذہن میں تازہ کرنی چاہئے۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے یہ تصور ہونا چاہئے کہ یہ پتھر گویا وہ جام ہے جس سے تمام انبیاء اور بزرگان امت نے شراب معرفت پی ہے، جسے حضرت ابراہیم و حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا ہے۔ اس کو بوسہ دیتے ہوئے ہمارا رشتہ اس سلسلۃ الذہب سے بلاواسطہ جڑ جاتا ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ ابراہیمؑ کی منکوحہ
صفا پہاڑی پر تھی اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ذبح کرنے مروہ پہاڑی پر لے گئے تھے اس
واقعہ کو جب ہم یاد کرتے ہیں تو سرفروشی کی تمنا انگڑائی لینے لگتی ہے۔ یہ گویا ایک طرح
سے جہاد کی تیاری ہے۔ جس طرح سے ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کر دیا اسی طرح
سے ہمیں ہر چیز قربان کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ منیٰ اسی قربانی کے مقام سے وابستہ
ہے۔ اصل مقام تو مروہ ہے لیکن پورے منیٰ کو قربان گاہ بنا دیا گیا ہے۔

ایک مرحلہ رمی جمار کا آتا ہے۔ یہ کنکریاں کیوں ماری جاتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہے
جہاں اللہ تعالیٰ نے ابرہہ اشرم کے لشکر کو تہس نہس کر دیا جو کعبہ کو گرانے کے ناپاک
ارادے سے آیا تھا کنکریاں برساتے ہوئے گویا خدا کے ان تمام دشمنوں سے ہم اعلان
جنگ کرتے ہیں جو اسلام پر یلغار کر رہے ہیں۔

حج اور یہ شعائر حج اس لئے ہیں کہ ان باتوں سے امت ہمیشہ زندگی اور توانائی
حاصل کرتی رہے۔

اسی موقع پر مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے ایک تجویز رکھی کہ سفر
حج سے پہلے دیار کے حاجیوں کے لئے جامعہ میں ایک تربیتی کیمپ لگایا جائے جس میں
مناسک حج بتائے جائیں حقیقت حج اور درس حج حجاج کے ذہنوں میں اتاری جائے
اساتذہ نے اس تجویز کو پسند کیا ۔ امید ہے کہ آئندہ سے اس پر عمل ہوگا۔

اسی دن دوپہر بعد انجمن کی طرف سے عبدالعظیم صاحب کو ایک الوداعیہ دیا گیا
جاوید سلطان صاحب فلاحی نے سورہ بقرہ سے حج سے متعلق آیات کی تلاوت فرمائی
سکریٹری انجمن مولانا محمد عمران صاحب فلاحی نے اس سفر مبارک پر اپنی خوشی کا اظہار کیا
اور دیار مقدس میں پہونچ کر اہم مقامات پر ان سے دعا کی خواہش ظاہر کی۔

صدر انجمن مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی نے فرمایا ہم لوگ مختلف حیثیتوں
سے ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں اور ہمارا رشتہ جامعہ سے زیادہ گہرا ہے۔
فطری طور پر ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا بھائی جب اس سفر پر جا رہا ہے تو وہ ہماری

دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے دعا کرے گا، چونکہ ہم سب جامعہ کے سپوت ہیں
اس لئے خصوصاً اس بات کی دعا کہ اللہ تعالیٰ اس مقصد کے لئے جس کے لئے جامعہ کی
تاسیس ہوئی ہے، ہم سبھوں کو مل جل کر اور یکسو ہو کر خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے
اگر یہ دعا ہمارے دل سے نکلتی ہے تو اس کے لئے ہمیں عملاً بھی کچھ کرنا چاہیے۔

مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی نے اس موقع پر دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے
اتحاد و اتفاق کے ساتھ کلمہ حق کی سربلندی کے لئے اللہ سے توفیق طلب کرنے اور
دعا کرنے کی درخواست کی۔

جناب عبدالعظیم صاحب فلاحی نے فرمایا حج بیت اللہ کی سعادت اللہ کا فضل
ہے۔ یہ بھی میری خوش نصیبی ہے کہ اپنے مشفق اساتذہ کی نصیحتیں سننے کو ملیں اور توقع
ایسا ہو تو دل صد فیصد قبول کر لیتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے ٹوٹے پھوٹے
الفاظ میں دعا کرتا رہوں گا آپ استاد ہیں میں شاگرد ہوں، ہمیشہ میں نے اپنے کو شاگرد ہی
سمجھا آپ مجھے معاف فرمائیں اور میرے لئے دعا فرماتے رہیں کہ میرا یہ سفر ہر پہلو سے کامیاب ہو۔

کلیۃ البنات شعبہ ابتدائی کی منتقلی

کلیۃ البنات ابتدائی میں جگہ ناکافی ہونے کی بنا پر پچھلے سال ہی یہ طے کیا گیا تھا کہ نئی عمارت بنا کر
اسے اس میں منتقل کر دیا جائے۔ اب طیبہ منزل سے متصل جنوبی جانب کی عمارت میں
کلیۃ البنات شعبہ ابتدائی کے درجہ دوم تک کے تمام سکشن منتقل کر دیئے گئے ہیں۔

تعمیرات وصفائی

پچھلے سال آندھی میں جامعہ کی چہار دیواری جگہ جگہ سے منہدم ہو گئی
تھی۔ ان جگہوں پر نئی دیوار کھڑی کر دی گئی ہے۔ کلیۃ البنات اعلیٰ
ثانوی کی نئی تعلیم گاہ کو بھی فصیل سے گھیر دیا گیا ہے۔

وضو خانہ میں ٹنکی کا نظم کیا گیا ہے اور پائپ لگا کر ٹوٹیاں نصب کر دی گئی ہیں
نیز بیت الخلاء میں بھی پانی کی ٹنکی نصب کی گئی ہے

ایک لمبے عرصے کے بعد مسجد کے اندرونی اور بیرونی حصہ کی صفائی ہوئی ہے
اور اندر سے جستائی ماربل اور باہر سیمنٹ کرایا گیا ہے۔

صدر جامعہ کا دورۂ بانسی

قارئین کو یاد ہوگا پچھلے دنوں جامعۃ الصالحات بانسی کے ذمہ داروں نے اپنے ادارہ کو جامعۃ الفلاح کی سرپرستی میں دے دیا تھا۔ صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب کی قیادت میں مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی ماسٹر محمد احمد صاحب اور ڈاکٹر سید اقبال واجد صاحب پر مشتمل ایک وفد جامعۃ الصالحات پہونچا۔ اس ادارہ کے ذمہ داروں نے ذمہ داران جامعہ کو بعض اہم تعلیمی اور تربیتی امور میں مشورے اور ہدایات کے لئے مدعو کیا تھا۔

غزلیں

ایم اے شجیعی دوگھروی

قدم قدم پہ جفاؤں کا مرحلہ رکھنا
کہاں سے سیکھا ہے تو نے یہ ضابطہ رکھنا

تمہاری قربتیں ہوش و حواس کھو دیں گی
ملن کے بیچ جدائی کا فاصلہ رکھنا

جہاں کی راحتیں اپنے نصیب میں لکھ کر
ادھار مانگ کے میرے لئے وفا رکھنا

اداس لمحوں کی تحریر پڑھ نہ لے کوئی
مزاج اپنا ہمیشہ ہرا بھرا رکھنا

بہت دنوں سے مری نیند بھی نہیں آئی
ہمارے واسطے آنچل کی بس ہوا رکھنا

تمہارے گاؤں میں آؤں گا ایک دن شجیعی
فقط خلوص میں ڈوبی ہوئی فضا رکھنا

اختر جلالپوری

گو ہے مشتاق مرا چشم کو مسند نہ بنا
پھول سا دل ہے مرا تو اسے پتھر نہ بنا

اشک آنکھوں سے جو بہتے ہیں تو بہہ جانے دے
درد کا دل ہے تو اس درد کو پتھر نہ بنا

دو قدم چل کے سر منزل یہ کوئی بات نہیں
کوئی رہزن کسی منزل کا تو رہبر نہ بنا

اشک آنکھوں میں ابھر کے جو مچلتے ہیں تو بہہ جانے دے
دل مرا دل ہے تو اس دل کو سمندر نہ بنا

خون ہوتا ہے جو میرے دل کا تو بہہ جانے دے
دل ترا رحم کا دریا ہے ستمگر نہ بنا

جو بھی ہوگا تری قسمت میں وہ ہوگا اختر
تو کسی ایسے ستمگر کو مقدر نہ بنا

روداد انجمن

منور حسین فلاحی

علیگڑھ یونٹ

مورخہ ۵ر فروری ۱۹۹۵ء کو جناب مولانا محمد عمران صاحب فلاحی اور جناب مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی علی گڑھ تشریف لائے وہ اس ارادہ سے اتوار کو یہاں آئے تھے کہ یہاں کی مجوزہ ماہانہ نشست میں تمام فلاحیوں سے ملاقات کر سکیں لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ ماہانہ نشستوں کا سلسلہ منقطع سا ہو گیا ہے۔ نگران کی گاڑی بھی غیر معمولی تاخیر سے علی گڑھ پہنچی جس کی وجہ سے اس نشست کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا اس کے باوجود سکریٹری یونٹ صاحب کی کوششوں سے ایک غیر رسمی نشست اس شب میں ہوئی جس میں انجمن اور جامعہ کے مسائل پر ان سے تفصیلی تبادلہ خیالات ہوا۔

اس نشست سے قبل بھی وقتاً فوقتاً اس طرح کی ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ ان میں ایک قابل ذکر نشست ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو محمد حبیب ہال کی مسجد میں منعقد ہوئی جس میں برادرم ضیاء الدین ملک فلاحی نے اہم عصری مسائل کے حل میں مسلم فقہاء کا حصہ کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ اصلاً انگریزی زبان میں تھا۔ لیکن پیش کش کے وقت ساتھ ساتھ وہ اس کے بعض اجزاء کی اردو ترجمانی بھی کرتے رہے۔ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کے رکن اور مشہور مصنف مولانا سلطان احمد اصلاحی نے اس نشست کی صدارت فرمائی۔

۱۲ر فروری ۱۹۹۵ء کو انجمن طلبہ قدیم اے ایم یو کی جانب سے ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں استاذ جامعہ جناب مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی مہمان خصوصی تھے۔ موصوف ۱۱، ۱۲ کو کورٹ کی میٹنگ میں شرکت کی غرض سے یہاں تشریف لائے تھے۔ جس کورٹ میں مسلم یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر کے لئے تین افراد کا ایک پینل بنانا تھا۔ افطار کے بعد مولانا نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے

چند مفید نصیحتیں کیں۔ ان میں نماز کی پابندی، تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ، یونیورسٹی کی سیاست میں متوازن انداز سے شرکت اور والدین کے لئے باعث مسرت سیرت و کردار بنائے رکھنے کی تلقین شامل تھی۔ یہی وہ موضوعات ہیں جن پر ہفتہ عشرہ قبل انہوں نے ایک مختصر سی میٹنگ میں بھی اظہار خیال فرمایا تھا۔ اس موقع پر ذرا تفصیل سے ان باتوں کی تذکیر ہوئی۔ ان کا ایک یادگار جملہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا منصوبہ ہے۔ ہم اپنا منصوبہ بناتے وقت اگر خدائی منصوبہ کو اس کا مناسب مقام نہیں دیں گے تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس موقع پر استاذ محترم کے ساتھ ہم نے خود کو تھوڑی دیر کے لئے جامعہ کی فضا میں محسوس کیا۔

ان کلمات کے بعد نئے فلاحیوں کو اپنا تعارف پیش کرنے کی دعوت دی گئی یہ تقریب دراصل ان ہی کے خیر مقدم کی تقریب تھی۔

پھر صدر یونٹ نے اپنے خیالات پیش کئے (جس کا مفصل متن منسلک ہے)

اس کے بعد انجمن کے نئے ذمہ داران کے انتخاب کا عمل شروع ہوا۔ کثرت آراء سے برادرم حافظ ابوذر صاحب فلاحی اور برادرم وسیم ملک صاحب بالترتیب صدر اور سکریٹری کے لئے منتخب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اپنی نصرت اور توفیق شامل حال فرمائے۔ آمین

صدر یونٹ علیگڑھ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح مولانا منور حسین صاحب فلاحی کے خطاب کا متن درج ذیل ہے۔

دوستو!

اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ایک بار پھر ہم سبھوں کو رمضان کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ ہم سب اپنی اپنی وسعت اور ظرف کے مطابق اس کی برکتوں سے مستفید ہو رہے ہوں گے قرآن مجید اسی مہینہ میں نازل ہوا ہے اور یہ قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ روزہ سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اس لئے اس مہینہ میں قرآن مجید سے بہتر طور پر رہنمائی حاصل کی جا سکتی

یہ موقع انجمن کی تفصیلی کارگزاریوں کے بیان کرنے کا نہیں ہے جب جب یہاں اساتذۂ کرام آئے ان کے ساتھ نشستیں رکھی گئیں ان کے علاوہ ایک بہت ہی عمدہ پروگرام ماہانہ نشستوں کا طے پایا تھا کہ ہر ماہ کے پہلے اتوار کو ہم کسی موضوع کے ساتھ یا بغیر کسی موضوع کے حبیب ہال میں جمع ہوا کریں گے لیکن سوءِ اتفاق کہ ایک مرتبہ کے علاوہ اس پر عمل نہیں ہو سکا۔ اس میں اور دوسری مجبوریوں کے علاوہ میری ذاتی مصروفیات کو زیادہ دخل رہا ہے۔ میں آنے والے ذمہ داروں سے درخواست کروں گا کہ انجمن کے حق میں ہر پہلو سے یہ بات مفید ہے کہ یہ ماہانہ نشستیں باقاعدگی سے اور موثر انداز میں ہوتی رہیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔

میں اس نشست میں استاذ محترم جناب مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب کی شرکت کو اپنے لئے اور تمام دوستوں کیلئے بھی باعث سعادت سمجھتا ہوں اور ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ افطار کو ترجیح دی۔

اخیر میں اپنے ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے گزشتہ ایام میں انجمن کے معاملات میں کسی طرح کا بھی تعاون پیش کیا اور برادرم محترم حافظ ابوذر صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے حسب استطاعت میری [illegible] معاونت فرمائی۔ میں اپنے تمام ساتھیوں سے درخواست کرتا ہوں انجمن کی سرگرمیوں کو مطلوبہ انداز میں چلانے کے سلسلہ میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں انہیں وہ معاف فرمائیں اس لئے کہ بندوں کے امور کی فروگذاشتیں براہ راست اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا۔

میری خواہش یہ ہے کہ آپ انتخاب میں اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ جو بھی منتخب ہو اس کے پاس مصروفیت نسبتاً کم ہو تاکہ وہ انجمن کو زیادہ وقت دے سکے۔ میں بہت سنجیدگی سے یہ بات عرض کرتا ہوں کہ اگر کسی بھی فرد کے ذہن میں میرا نام کسی بھی درجہ میں ہو تو وہ اسے اپنے ذہن سے نکال دے اور حقیقت پسند ہو کر اپنی رائے کا استعمال کرے۔ اپنی رائیں برادرم ابوذر صاحب فلاحی کے پاس جمع کر دیں ان شاء اللہ وہ آپ کے فیصلے سے آپ کو مطلع کر دیں گے۔ میں اپنی طرف سے بھی آپ کے تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

Regd. No. 46065/86

Monthly MAJALLAH HAYAT—E—NAU

BILARIAGANJ AZAMGARH (U.P.)

Mar.-Apr.-May 1995 Vol 11 No. 3-4-5

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی تازہ پیشکش

"ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس"

مجموعہ مقالات سمینار منعقدہ ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء

مرتب :- انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

اس مجموعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

— دینی مدارس اپنا متوقع کردار کیوں نہیں ادا کر سکے ؟

— ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس

— جمہوریت کے تعلیمی ادارے

— ہندوستان کی موجودہ تعلیمی تحریکات — ایک جائزہ

— دینی مدارس میں سائنس کی تعلیم

— ملت کے معاشی مسائل اور دینی مدارس

— دور جدید کے تقاضے اور دینی مدارس کا نصاب

— تعلیم نسواں اور دینی مدارس

— طلبہ مدارس دینیہ کا روزگار — مسائل اور مشکلات

— بھارتیہ جنتا پارٹی کی تعلیمی پالیسی

— جماعت اسلامی ہند کا تعلیمی نظام

— عصری جامعات سے الحاق اور اسکے مسائل وغیرہ موضوعات پر ماہرین تعلیم و تربیت کے گراں قدر خیالات۔ قیمت :- ۳۰ روپئے صفحات :- ۳۱۰

ملنے کے پتے :- ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۱۱۰۰۰۶

[illegible] ڈی ۳۰۷ ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵